بیاد: حضرت الحاج حافظ عبدالستارصاحب عزیزیؒ

دینی، دعوتی، علمی، ادبی، تحقیقی، فکری اور اصلاحی ترجمان

ماهنامه

نقوش اسلام

Issue.No9,10,11	NovTo Jan.2023- جمادی الاخری ۱۴۴۴ھ۔نومبر تا رجنوری ۲۰۲۳ء	VOL.No18

مجلس سرپرستان

مرشدالامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

شیخ طریقت حضرت مولانا قمرالزماں الہ آبادی

حضرت مولانا ظریف احمد قاسمی ندوی مدنی

حضرت مولانا محمد ہاشم قاسمی

مجلس مشاورت

مولانا سعیدالرحمٰن اعظمی ندوی — مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی

مولانا سعیدالرحمٰن فیضی ندوی — مولانا محمد اکرم ندوی

مولانا محمد عامر صدیقی ندوی — مولانا محمد منذر ندوی

مولانا حسن مرچی — مولانا رشید احمد ندوی

مجلس ادارت

مفتی رحمت اللہ ندوی — مولانا محمد عمر قاسمی مجاہد پوری

چیف ایڈیٹر

محمد مسعود عزیزی ندوی

مدیرانتظامی

ڈاکٹر مرغوب عالم عزیزی

ترسیل زر اور خط وکتابت کا پتہ

NUQOOSH-E- ISLAM
MUZAFFARABAD.SAHARANPUR.247129
(U.P)INDIA.Cell.09719831058
E.mail : nuqusheislam@gmail.com
masoodazizi94@gmail.com
www. nuqusheislam.com , www. mifiin.org

ماہنامہ ''نقوش اسلام'' مظفرآباد، سہارنپور 247129 (یوپی) انڈیا

شرح خریداری

ہندوستان کے لیے

فی شمارہ .... ۲۰ روپے

سالانہ .... ۲۴۰ روپے

خصوصی .... ۵۰۰۰ روپے

ایشیائی، یورپی افریقی و امریکی ممالک کے لیے ۵۰ ڈالر

رسالہ کے جملہ امور سے متعلق اس نمبر پر رابطہ کریں: 9719831058

منیجر توسیع واشاعت: قاری محمد صالحین
Mob: 09813806392

Markazu Ihyail Fikril Islami , A/C No. 30416183580,S.B.I
Monthly Nuqoosh-e-Islam, A/C No. 30557882360,S.B.I

PRINTED, PUBLISHED AND OWNED: MD FURQAN
PRINTED AT LUXMI PRINTING PRESS SAHARANPUR
EDITOR: MD FURQAN

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اس شمارے میں

عناوین	مضمون نگار	صفحہ
اداریہ		۳
بلند پرواز چاہو	محمد مسعود عزیزی ندوی	
جائزہ		۵
کتاب الفقہ علی المذاہب الربعۃ	مفتی محمد خالد حسین نیموی قاسمی	
آخرت		۱۴
جنت کی ٹیکنولوجی۔	مصنف زین العابدین	
حقائق		۱۷
سعودی حکومت کے جرائم	پروفیسر محسن عثمانی ندوی	
یاد رفتگاں		۲۴
مولانا محمود حسن حسنی ندوی کا سانحہ ارتحال	مفتی رحمت اللہ ندوی	
سوانح		۲۸
حضرت مولانا قاری ایوبؒ قاسمی	محمد طیب صاحب قاسمی	
تجزیہ		۳۷
مسلم حکمران اور پروپیگنڈا	محمد عمران قاسمی	
درس بخاری		۴۰
تقریب افتتاح بخاری شریف	مولانا عبد الحنان ندوی	
بندگی		۴۴
دعا کی طاقت اور قبولیت دعا	مولانا عرفان عامر ندوی	
تعارف وتبصرہ		۳۴
نئی کتابوں پر تبصرہ	محمد مسعود عزیزی ندوی	
اشتہار ڈیسینٹ اکیڈمی		۴۷
مطبوعات		۴۸
مرکز احیاء الفکر الاسلامی کی شائع شدہ کتابیں		

❑❑❑❑

ماہنامہ ''نقوش اسلام'' کے لئے شرح اشتہار

ٹائٹل صفحہ آخر رنگین	(فل سائز)	۳۰۰۰...........
// // اول اندرونی	// //	۲۵۰۰...........
// // آخر اندرونی	// //	۲۰۰۰...........
صفحہ اندرونی	(فل سائز)	۱۰۰۰...........
آدھا صفحہ اندرونی		۶۰۰...........
¼ صفحہ //		۴۰۰...........

◯ اس دائرے میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ اسی رسالہ کے ساتھ آپ کی سالانہ مدت خریداری پوری ہو رہی ہے، لہٰذا آئندہ کے لیے جلد ہی زر تعاون مبلغ ۲۴۰ / روپے ارسال فرمائیں، تاکہ رسالہ کو جاری رکھا جا سکے۔ (ادارہ)

نوٹ: شائع شدہ مضامین سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں، ہر قسم کی چارہ جوئی کا حق صرف عدالت سہارنپور کو ہی ہوگا۔

پرنٹر پبلیشر: محمد فرقان نے لکشمی آفسیٹ پریس سہارنپور میں طبع کرا کے دفتر ماہنامہ نقوش اسلام مظفرآباد سے شائع کیا

کمپوزنگ: عزیزی کمپیوٹر سینٹر: مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفرآباد، سہارنپور، یوپی (الھند)

اداریہ

بلند پرواز چاہو

اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہے

محمد مسعود عزیزی ندوی

انسان کے افکار ونظریات اور اس کی سوچ بچپن سے ہی بلند ہونی چاہئے ،جس طرح انسان بچپنے سے سوچتا ہے، جو بننا چاہتا ہے، جو کرنا چاہتا ہے،جس طرح کی ترقی و بلندی اور عظمت چاہتا ہے،اس طرح اس کو نوعمری ہی سے- جب اس کو شعور حاصل ہو- اپنی آرزوؤں اور تمناؤں کو بلند رکھنا چاہئے ،اس لئے کہ جس آدمی کی سوچ اور فکر بچپنے سے بلند ہوگی، اونچی ہوگی، وہ بہت اونچا جانا چاہے گا،ایک باکردار یا آئیڈیل بننا چاہے گا،تو اللہ تعالیٰ اس کی سوچ کے مطابق راستے ہموار کریگا، راستے نکالے گا، حالات سازگار کرے گا اور اس کو اس کی منزل تک پہنچایئگا، بشرطیکہ وہ سچے دل سے، پوری لگن اور کڑھن سے اور یکسوئی کے ساتھ اپنے کام میں لگا رہے،تو ایک دن اس کی پرواز بلند ہوگی، وہ منزل مقصود تک پہنچے گا،اور اس کی زندگی کا وہ خواب جو اس نے بچپنے سے سجایا تھا یا دیکھا تھا وہ ضرور شرمندۂ تعبیر ہوگا،اور یہ خواب بعض مرتبہ بچے کے والدین یا ان میں سے کوئی ایک بھی دیکھتا ہے یا وہ بچہ خود دیکھتا ہے۔

اس کی بہت سی مثالیں ہیں،ایک مثال جس سے بہت سے قارئین واقف ہونگے ،امام حرم شیخ عبدالرحمٰن سدیس کے متعلق یہ بات مشہور ہے کہ انہوں نے بچپن میں گھر میں کوئی نازیبا حرکت کی،تو ان کی والدہ نے کہا کہ اللہ تعالی تجھے کعبہ کا امام بنادے،اس عورت نے جوش میں ہوش کے ساتھ یہ ڈاٹ، بددعا،بشکل اچھی دعاء کے دی، کہ ایک وقت آیا اللہ تعالی نے شیخ عبدالرحمٰن سدیس کو کعبہ کا امام بنادیا، اب تو وہ دونو حرم کے شؤون کے ذمہ دار ہیں،ابھی کل پرسو ایک خبر معلوم ہوئی کہ ایک عراقی بچے ماہر سعداللہ محمد کی والدہ کی یہ تمنا تھی کہ وہ پائلٹ بنے اور وہ اپنے بچے کے ساتھ جہاز میں سفر کرکے مکہ مکرمہ پہنچے، اللہ تعالی نے اس کی والدہ کی یہ تمنا پوری کی، وہ پائلٹ بنا اور اپنی والدہ کو جہاز میں بٹھا کر مکہ مکرمہ کے لئے سفر پر روانہ ہوا۔

ہمارے ایک ساتھی تھے، جو حافظ بھی ہوگئے تھے، وہ بچپنے میں کہتے تھے کہ میں بڑا ہوکر ٹرک چلایا کروں گا، اور شراب پیا کروں گا،

اب معلوم ہوا کہ اس کی یہ تمنا پوری ہوئی، وہ ٹرک بھی چلاتا ہے اور شراب بھی پیتا ہے، ایک ساتھی بچپنے میں کہتا تھا کہ میں تو بڑا ہو کر ڈاکٹر بنوں گا اور لوگوں کو انجکشن لگایا کروں گا، وہ اللہ کے فضل سے ڈاکٹر بن گیا، اور اس کی اچھی کلینک چل رہی ہے، لوگوں کو فائدہ ہو رہا ہے۔

اس طرح کے بے شمار واقعات سے قارئین واقف ہوں گے کہ انسان نے کوئی ارادہ کیا، تو اللہ تعالی نے اس کے لئے ایسے ہی انتظامات کر دئے، اور اس کی تمنا پوری ہوگئی، اس لئے ہر آدمی کو اچھے ارادے کرنے چاہئیں، بلند عزائم رکھنے چاہئیں، اونچی سوچ رکھنی چاہئے، اور اللہ تعالی سے زیادہ سے زیادہ مانگنا چاہئے، اللہ تعالی دینے پر قادر ہے، اس کے خزانہ میں کمی نہیں ہے، حدیث قدسی میں آتا ہے اللہ تعالی فرماتا ہے کہ ''میں اپنے بندہ کے گمان کے ساتھ ہوں'' یعنی انسان اللہ تعالی سے جس طرح کا گمان کرتا ہے، اللہ تعالی اس کے گمان کے مطابق فیصلہ کر دیتا ہے، اس لئے اللہ تعالی سے گمان بھی اچھا رکھیں اور دعا بھی کریں اور تمنا بھی کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے علم وعمل میں زیادتی عطا فرمائے، بڑا عالم، بڑا عامل بنائے، اچھا اور بڑا انسان بنائے، اچھے اخلاق اور بلند کردار عطا فرمائے، بڑا سچا اور امانت دار تاجر بنائے، انصاف کرنیوالا حاکم یا ذمہ دار بنائے، اور دین ودنیا کے اعتبار سے اچھا مقام عطا فرمائے اور اپنے مقبول بندوں میں شامل فرمائے۔

سچی بات یہ ہے کہ جیسی آپ تمنا کریں گے، جیسا بننا چاہو گے، اللہ تعالی اسی طرح کے انتظامات فرمائیں گے، اس لئے بلند پرواز ہی کی نیت رکھو اور بلندیوں پر ہی اپنا نشیمن بناؤ۔

نہیں تیرا نشیمن قصر سلطانی کے گنبد پر
تو شاہین ہے بسیرا کر پہاڑو کی چٹانوں میں

oftware\importan
PS\CLIP\MARRIGE
oder\DEC001I.TI
not found.
oftware\importan
PS\CLIP\MARRIGE
oder\DEC001I.TI
not found.

جائزہ

کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعة

تجزیاتی مطالعہ

از: مفتی محمد خالد حسین نیموی قاسمی
رکن الاتحاد العالمی لعلماء المسلمین، دوحہ قطر

فقہ اسلامی کی ہمہ گیری:

شریعت اسلامیہ، انسانیت کی فلاح ونجات کے لیے دائمی وابدی قانون ہے، اس قانون کا اولین مصدر ومنبع، اللہ کی کتاب قرآن کریم، حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور اجماع امت ہے، جب کہ ثانوی مصدر وماخذ قیاس واجتہاد ہے، اس قانون کو فقہاءِ امت نے مرتب ومدون شکل میں امت کے سامنے پیش کیا، انہوں نے کتاب اللہ وسنت رسول اللہ کے منصوص احکام میں اجتہاد کر کے غیر منصوص مسائل کے لیے اصول وکلیات وضع کیے، اس اجتہادی عمل میں اختلاف کی بھی گنجائش تھی، چنانچہ عہدِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے ہی امت میں فروعی مسائل میں اختلافات پیدا ہوئے۔

یہ اختلافات اسلام کے توسع کی علامت اور باعث رحمت تھے، فقہاء کرام کے ذریعہ مختلف علاقوں میں ان کے اجتہادات و نظریات اور استخراج مسائل کے طریقے پہنچے، چونکہ نصوص محدود اور مسائل لامحدود ہیں، لہذا نصوص میں اجتہاد کا عمل صحابہ کے علاوہ تابعین، تبع تابعین اور بعد کے زمانہ میں بھی تسلسل کے ساتھ جاری رہا۔

چار مسالک فقہی پر اتفاق:

خلافت بنوامیہ اور خلافت بنوعباسیہ کے زمانے میں جب اسلام کا پرچم ایشیاء کے دور دراز خطوں اور افریقہ کے علاقوں میں بھی لہرانے لگا اور نت نئے مسائل امت کو درپیش ہوئے، تو ان فقہاء ومجتہدین نے شریعت کی روشنی میں اجتہاد سے ان مسائل کا کامیاب حل پیش کیا۔

ابتدا میں ہر علاقے کے لوگ اس علاقے کے مجتہدین کی آراء کی پیروی کرتے تھے، لیکن مختلف اسباب کے تحت من جانب اللہ جتنی مقبولیت چار دبستان فقہ حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی، کے حصے میں آئی اتنی کسی اور کے حصے میں نہیں آئی، یہاں تک کہ چوتھی صدی کے آتے آتے امت عملی طور پر چار فقہی مکاتب فکر پر متفق ہو گئی (حجۃ اللہ البالغہ)

فقہ اسلامی کی تدوین:

فقہ کی تدوین کے سلسلہ میں حضرت سیدنا علی مرتضیٰ اور حضرت عبداللہ بن مسعود کے سلسلے کے تلامذہ بالخصوص حضرت امام مالک بن انسؒ، امام محمد بن ادریس شافعیؒ اور امام احمد بن حنبل کا بھی تدوین شریعت کے باب میں اہم ترین رول رہا ہے، شروع میں ائمہ اربعہ کے ساتھ دیگر ائمہ مجتہدین کی آراء اور ان کے نقطہائے نظر کو بھی پیش کرنے، ان کے اقوال ذکر کرنے اور ان کے دلائل تحریر کرنے کا رواج عام تھا، اسی لیے دیکھتے ہیں کہ امام ترمذیؒ ائمہ اربعہ کے اقوال کے ساتھ امام ابوثورؒ، امام سفیان

ثوری، امام اوزاعی، امام اسحاق بن راہویہ، امام داود ظاہری، امام طحاوی نے شرح معانی الآثار میں، علامہ سرخسی نے المبسوط میں، علامہ ابن رشد نے بدایۃ المجتہد میں، ابن قدامہ نے المغنی میں، ابواسحاق شیرازی نے المہذب اور علامہ نووی نے المجموع شرح المہذب میں نقلِ مذاہب کا کافی اہتمام کیا ہے۔

محدثین فقہاء نے شروح حدیث میں ائمہ اربعہ کے ساتھ دیگر فقہاء کی آراء کو بکثرت نقل کیا ہے، لیکن بعد میں ائمہ اربعہ کے علاوہ دیگر مجتہدین کی آراء کا ذکر متروک ہو گیا، اس کے برعکس ائمہ اربعہ کے اقوال کو تمام تفصیلات کے ساتھ نقل کرنے کا فقہاء نے زبردست اہتمام کیا، علامہ مرغینانیؒ نے ہدایہ میں، علامہ کاسانیؒ نے بدائع الصنائع میں، علامہ ابوبکر جصاص رازیؒ نے احکام القرآن میں ائمہ اربعہ کے اقوال کو دلائل کے ساتھ نقل کیا ہے اور فقہ حنفی کی آراء کو مدلل کرنے اور ترجیح دینے کا بھی اہتمام کیا ہے، عام طور پر مصنفین جس فقیہ اور مجتہد کے مقلد ہوا کرتے تھے، انہیں کے اقوال کو ترجیح دیا کرتے تھے، عام طور پر فقہاء کے نزدیک اسی کا چلن رہا ہے، ماضی قریب میں نیل الاوطار کی شکل میں علامہ شوکانیؒ نے اچھی کاوش امت کے سامنے پیش کی، ماضی میں ایسی کوشش بھی ہوئی ہیں جن میں صرف دلائل کے ساتھ ائمہ اربعہ کے مذاہب کے نقل کا اہتمام کیا گیا، ترجیح اور وجوہ ترجیح کو ذکر نہیں کیا گیا۔

فقہ مقارن کا رجحان:

البتہ ماضی قریب میں ایک الگ رجحان پیدا ہوا، جسے (فقہ مقارن) کا رجحان کہا جاتا ہے، جس میں ائمہ اربعہ و دیگر ائمہ کے اقوال کو مع دلائل ذکر کیا جاتا ہے، لیکن مصنف کسی ایک مجتہد کی تقلید نہیں کرتے، بلکہ اپنی تحقیق کے مطابق ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک بلکہ بسا اوقات بعض دیگر ائمہ کے اقوال کو بھی ترجیح دیتے ہیں، جب کہ اس رجحان کی خطرناکیوں سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے، البتہ ائمہ اربعہ کے اجتہاد کے دائرہ میں رہتے ہوئے اگر نئے پیش آمدہ مسائل کے حل کے لیے حالات کی ضرورت کے مطابق ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کے قول کو اختیار کیا جائے، تو اس کی گنجائش نکل سکتی ہے۔ اس صورت حال سے نمٹنے کے لیے فقہِ ائمہ اربعہ کے موضوع پر کئی کتابیں ماضی اور حال میں تصنیف کی گئی ہیں۔

کتاب الفقہ علی المذاهب الاربعہ کی تصنیف:

ائمہ اربعہ کی فقہ پر تصنیف کی جانے والی کتابوں میں سب سے زیادہ مشہور نامور عالم دین معروف مصری مصنف عبدالرحمٰن الجزیری کی کتاب ''کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ'' ہے، اس کے بعد حکومت کویت کی نگرانی میں ائمہ اربعہ کی فقہ کے سلسلہ کا سب سے بڑا اور جامع کام ''الموسوعۃ الفقہیۃ'' کے نام سے ۵۴ جلدوں میں انجام پایا ہے، اس سے قبل ائمہ اربعہ کے ساتھ دیگر ائمہ مجتہدین کی فقہ پر مشتمل موسوعہ تیار کرنے کا کام حکومت مصری کی نگرانی میں شروع ہوا تھا، لیکن یہ سلسلہ پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچ سکا، بہر حال (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ) فقہ ائمہ اربعہ پر اہم ترین کاوش ہے، اس کتاب کے مصنف شیخ عبدالرحمٰن بن محمد عوض الجزیری ہیں، مصنف جامعہ ازہر سے تعلق رکھنے والے ممتاز فقیہ ہیں، موصوف جامع ازہر کے کلیۃ اصول دین میں ایک عرصے تک استاد رہے۔

مصنف کتاب علامہ جزیری کا تعارف:

عبد الرحمٰن بن محمد عوض الجزیری (۱۲۹۹-۱۳۶۰ھ / ۱۸۸۲-۱۹۴۱م) مشہور فقیہ اور ممتاز ازہری علماء میں سے ہیں، مصر کے جزیرہ ''شندویل'' کے مرکز ''سواج'' میں ۱۲۹۹ھ/۱۸۸۲ء، میں ولادت ہوئی، تعلیم جامع ازہر میں

ہوئی، چوں کہ شروع سے ہی فقہی ذوق کے حامل تھے، خاص طور پر امام ابوحنیفہ کی فقہ کی طرف کافی رجحان تھا، اس لیے انہیں امام اعظم ابوحنیفہ کے مسلک اور اس مسلک کی کتابوں سے خاص شغف رہا اور اسی مسلک کی کتابوں کو اپنی تحقیق کا موضوع بنایا، سن ۱۳۱۳ھ سے ۱۳۲۶ھ تک آپ کا خاص فقہی ذوق پروان چڑھتا رہا، اس کے بعد جامع ازہر میں تدریس کی ذمہ داری آپ کے سپرد ہوئی، اس ذمہ داری کو آپ نے بحسن وخوبی انجام دیا، سنہ ۱۳۳۰ ہجری میں وزارت الاوقاف کے تحت آنے والی تمام مساجد اور ان مساجد کے ائمہ کرام کے ذمہ دار مقرر ہوئے، پھر اس شعبہ کا انہیں ذمہ دار اعلی مقرر کر دیا گیا، بعد ازاں جامع ازہر کے کلیۃ اصول الدین میں استاذ مقرر ہوئے، موصوف کی لیاقت، مقبولیت اور شہرت کے مدنظر حکومت نے انہیں ''ہیئت کبار العلماء'' کا رکن منتخب کیا ایک عرصے تک اس عہدے پر فائز رہے، سن ۱۳۵۹ھ/ ۱۹۴۱ء میں ''حلوان'' نامی مقام پر ان کی وفات ہوئی۔

اهم ترین کارنامه:

ان کا اہم ترین کارنامہ ''کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ'' کی تصنیف ہے، اس کا وہ حصہ جو عبادات سے متعلق ہے، اسے جامع ازہر کے علماء کی ایک انجمن نے مصری وزارت اوقاف کی نگرانی میں تیار کیا ہے، جب کہ علامہ جزیری اس علمی فقہی لجنہ کے اہم ترین ذمہ دار تھے، پھر اس کتاب کی ترتیب، تہذیب اور تنقیح کا ذمہ دار آپ کو ہی بنا دیا گیا، بعد ازاں انہوں نے اس لجنہ کے قائم کردہ نقوش کے مطابق دیگر ابواب کی تکمیل کی اور ان میں دیگر مباحث کا اضافہ بھی کیا، کہا جا سکتا ہے کہ وزارت اوقاف کی نگرانی میں شائع ہونے والی کتاب نقش اول تھی جب کہ علامہ جزیری کی یہ کتاب نقش ثانی اور اس سلسلہ کی توسیع ہے، اسے کتابِ سابق کا جدید ایڈیشن بھی کہا جا سکتا ہے۔

کتاب کے مشمولات:

جزء اول: عبادات پر مشتمل ہے، جب کہ جزء ثانی معاملات پر، جزء ثالث تتمۃ المعاملات پر، جزء رابع: نکاح و طلاق اور جزء خامس: حدود وغیرہ پر مشتمل ہے، کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ گوناگوں خوبیوں کی حامل ہے، البتہ اس میں یہ کمی رہ گئی ہے کہ کتاب الوقف اور کتاب القضاء وغیرہ کے مباحث اس میں شامل نہیں ہیں، خود علامہ جزیری کو ان ابواب کی تکمیل کا موقع نہیں ملا، بعد میں بعض اہم مباحث کا اضافہ تو ہوا، لیکن پوری طرح اس کی تکمیل نہ ہو سکی۔

کتاب کی تصنیف کا پس منظر:

کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ کی تالیف وزارت الاوقاف مصر کی تحریک اور اس کی دلچسپی سے عمل میں آئی، اس وقت کے مصر کے بادشاہ ملک ''فؤاد اول'' کی خواہش تھی کہ ایک ایسی کتاب مرتب کی جائے جس میں ائمہ اربعہ کی فقہ کو تمام تفصیلات اور جزئیات کے ساتھ یکجا کر دیا جائے، تاکہ علماء وائمہ مساجد کے لیے ان مسائل تک رسائی آسان ہو جائے اور مساجد میں جو حلقہائے درس قائم ہیں، ان حلقوں میں اس کتاب کی تدریس ہو سکے، اس سے قبل ملک فؤاد کی حکومت کی طرف سے ایک مصحف شریف کی طباعت کا بھی انتظام کیا گیا تھا، مصاحف کے رسم الخط سے واقف کار علماء و ماہرین کا خیال ہے کہ ملک فؤاد کا شائع کردہ مصحف وہ پہلا مصحف ہے، جس میں دقت نظر کے ساتھ رموز واوقاف اور رسم الخط کی درستگی کا اہتمام کیا گیا، بعد میں جتنے بھی مصاحف زیور طبع سے آراستہ ہوئے اس میں اسی اسلوب کی نقالی کی گئی اور ملک فؤاد کے مقرر کردہ انہیں اصولوں کو برتا گیا۔

ملک فواد کی خواہش پر وزارت اوقاف نے ''الفقہ علی المذاہب الاربعۃ'' کے زیرعنوان جس کتاب کی طباعت کا اہتمام کیا، اس میں صرف عبادات کا حصہ شامل تھا، اس خطّہ میں تمام ابواب کی تکمیل کا منصوبہ شامل نہیں تھا، بلکہ ان کی خواہش یہ تھی کہ اس کے بعد دو کتابیں اور منظر عام پر آئیں، ایک کا تعلق عقائد سے ہوا اور دوسرے کا تعلق اخلاق و آداب سے ہو، لیکن ایسا نہ ہوسکا، اس طور پر فتاویٰ عالم گیریہ اور مجلۃ الاحکام العدلیہ کے بعد کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ تیسری ایسی کتاب بن گئی جس کی شروعات حکومت کی تحریک پر ہوئی۔

کتاب کی مختلف اشاعتیں:

کتاب کی پہلی طباعت (حصہ عبادت) کا سہرا شیخ الازہر اور چاروں فقہی دبستان فکر سے تعلق رکھنے والے جامعہ ازہر کے مشائخ وعلماء پر مشتمل اکیڈمی کے سر بندھتا ہے۔

اس علمی فقہی اکیڈمی کے اراکین مندرجہ ذیل علماء ومشائخ تھے: علماء حنفیہ میں سے: عبدالرحمٰن الجزیری، اور محمود البیلاوی، علماء مالکیہ میں سے محمد السمالوطی، اور محمد عبدالفتاح العنانی، علماء شافعیہ میں سے محمد الباجی اور علماء حنابلہ میں سے، محمد سبیع الذہبی، اور ابوطالب حسنین مستقلا شریک رہے، بعد میں اس کتاب کی تکمیل وتہذیب کی مکمل ذمہ داری عبدالرحمٰن الجزیری کے سپرد کردی گئی۔

اس کی پہلی طباعت سن ۱۳۴۸ھ مطابق ۱۹۲۸ءعیسوی میں عمل میں آئی، پہلی اشاعت میں چار ہزار نسخے شائع ہوئے۔

دوسری اشاعت سے قبل بڑے پیمانے پر اس کتاب میں تصحیح، تہذیب اور تنقیح کی ضرورت محسوس کی گئی، اس امر کی ذمہ داری جس اکیڈمی کے سپرد کی گئی اس کے ارکان مندرجہ ذیل حضرات تھے، علماء حنفیہ میں سے عبدالرحمٰن الجزیری، علماء مالکیہ میں سے عبدالجلیل عیسیٰ، علماء شافعیہ میں سے محمد الباجی، ومحمد ابراہیم شور، اور علماء حنابلہ میں سے محمد سبیع الذہبی، یہ حضرات اس کار عظیم میں مستقل طور پر شریک رہے پھر تہذیب وتنقیح اور عبادتوں کو سہل کرنے کی ذمہ داری عبدالرحمٰن الجزیری کے سپرد کی گئی، اسی موقع پر مندرجہ ذیل ابواب کا کتاب میں اضافہ بھی کیا گیا: (۱) ابواب الاضحیہ والذبائح، (۲) ما یحل و یحرم من الطعام والشراب واللباس۔

اس اشاعت میں علماء ومشائخ کے تبصرے اور تنقیدات کی روشنی میں خاص طور پر تہذیب وتنقیح کا کام کیا گیا، اس سلسلے میں جو سب سے اہم تبصرہ تھا، وہ شیخ عبداللہ دراز مالکی کا تبصرہ تھا، اس سے استفادہ کیا گیا اور مالکیہ کے نقطۂ نظر کو بہتر طور پیش کیا گیا۔

دوسری طباعت سب ۱۳۴۹ھ مطابق ۱۹۳۱ عیسوی میں عمل میں آئی، اس مرتبہ نسخوں کی تعداد دس ہزار تھی۔

تیسری اشاعت میں جس کمیٹی نے اہم رول ادا کیا اور اس اشاعت کو ممتاز بنانے کی کوشش کی ان میں مندرجہ ذیل حضرات شامل تھے۔

علماء حنفیہ میں سے محمود ابودقیق، اور عبدالرحمٰن الجزیری علماء مالکیہ میں سے، محمد حبیب اللہ، تیسری اشاعت سن ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۹۳۶ء، میں عمل میں آئی، اس مرتبہ نسخوں کی تعداد بارہ ہزار تھی۔

چوتھی او پانچویں اشاعت:

چوتھی اشاعت سن ۱۳۵۸ھ مطابق ۱۹۳۹ء میں عمل میں آئی، اس بار ہزار نسخے شائع ہوئے، اس اشاعت میں اس کتاب کی مکمل طور پر نسبت عبدالرحمٰن الجزیری کی طرف ہو گئی، جب کہ ان کا نام پہلی دوسری اور تیسری اشاعت میں لجنہ کے رکن کے طور پر تھا، جب کہ پانچوی اشاعت سن ۱۳۶۹ھ مطابق ۱۹۵۰ء، میں مطبع دارالکتاب العربی سے عمل میں آئی۔

خلاصہ یہ ہے کہ کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعہ للجزیری در حقیقت سلسلہ اول کی توسیع ہے ،اس سلسلہ کی پہلی جلد جو وزارت اوقاف کی طرف سے شائع ہوئی تھی،اس کی تعدیل اور اضافات کثیرہ پر مشتمل ہے،اس میں علامہ جزیری نے دلائل کا اضافہ بھی کیا ہے،حکمت تشریع کا جابجاذکرفرمایااس کی اشاعت سن ۱۹۳۹ء، میں عمل میں آئی،اس کے بعد دوسری تیسری اور چوتھی جلد میں دیگرابواب فقہیہ کا اضافہ فرمایا،لیکن تکمیل سے پہلے ہی راہی ملک بقاہو گئے۔

الفقہ علی المذاھب الاربعہ کا تکملہ:

علامہ جزیری کی وفات کے بعد باقی ماندہ کام کس طور پر انجام پایا،اس سلسلہ میں اس کتاب کے ناشر نے ان امور کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

الفقہ علی المذاہب الاربعہ کی چوتھی جلد کے اختتام پر عالمِ جلیل شیخ عبدالرحمن الجزیری نے یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ قارئین کی خدمت میں جلد ہی پانچویں جلد پیش کریں گے اور اس کی شروعات کتاب الحدود سے ہوگی ؛لیکن میعادِ اجل نے انھیں مہلت نہ دی اور مسودہ کتاب کومطبع کےحوالےکرنے سےقبل ہی وہ اللہ کی بارگاہ میں پہنچ گئے،مکتبہ تجاریہ کبری نے ان کی وفات کے بعدان کےاہلِ خانہ سے پانچویں جلد کے لیے کتاب الحدود کا جو کچھ مسودہ کی شکل میں مصنف نے تحریرفرمایا تھا،اسے حاصل کیا،مسودہ سے اندازہ ہوا کہ مصنف نے کتاب الحدود کوتقریبا مکمل کرلیا تھا،صرف ترتیب وتنسیق اورحواشی کی ضرورت باقی رہ گئی تھی ،باقی ماندہ کاموں کی ذمہ داری فقہ مذاہب کے متبحر عالم شیخ علی حسن عریضی کے سپرد کی گئی۔جوعلماء ازہر میں ممتاز مقام کے حامل ہیں، چنانچہ انھوں نے مصنف کے منہج اوراسلوب کے مطابق اس کام کو بہتر طور پر انجام دیا،اصل کتاب میں جن مقامات پرحواشی اورتعلیقات کی ضرورت تھی اس کی بھی تکمیل کی اورر پورے مرحلہ میں طباعت تک مکمل نگرانی کا فریضہ انجام دیتے رہے۔یہاں تک کہ کتاب الحدود کی اشاعت بہتر طور پر ۱۹۳۱ء میں عمل میں آئی۔

مختلف مشہور و معروف مطابع سے اشاعت:

علامہ جزیری کی شہرہ آفاق کتاب ’’کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ‘ عالم عرب کے تمام مشہور مطابع سے شائع ہوئی ہے،خاص طور پرمصر،دمشق،سعودیہ عربیہ’’بیروت‘‘وغیرہ سےاس کی اشاعت عمل میں آئی،تاہنوزآب وتاب کےساتھ یہ سلسلہ جاری ہے،میری طالبِ علمی کے زمانے انیس سو بانوے سے لے کر انیس سو چھیانوے تک یہ کتاب عام طور پراستنبول ترکی سے وقف اخلاص کےضریعہ حاصل کی جاتی تھی،جوقدیم ٹائپنگ کتابت کے ساتھ چار جلدوں میں طبع ہوئی تھی۔الحمدللہ کمپیوٹرکتابت کے ساتھ پانچ ضخیم جلدوں میں اس کی اشاعت دارالقدس قاہرہ مصر سےعمل میں آئی ہےاور پانچ جلدوں میں سے ہر ایک اوسطاً پانچ سوصفحات پر مشتمل ہیں،مجموعی طور پر تقریباًڈھائی ہزارصفحات بنتے ہیں،اس کی پہلی جلدشروع ہوتی ہے کتاب الطہارہ سے،جب کہ پہلی جلد کا اختتام ہوتاہےاضحیہ اورقربانی کےمباحث پر،یہ جلدکل چھ سوصفحات پر مشتمل ہے۔

کتاب کا اردو ترجمہ:

اردوداں طبقہ کے لیے باعثِ مسرت ہے کہ اس کتاب کا ترجمہ جناب مولانا منظوراحسن عباسی صاحب نے کیاہےاور یہ ترجمہ شاندارکمپیوٹرکتابت کے ساتھ اصل عربی متن کے ساتھ پڑوسی ملک کے موقر ادارے علماء اکیڈمی، شعبہ مطبوعات محکمہ اوقاف پنجاب کی طرف سےسن ۲۰۰۶ءمیں شائع ہو چکاہے۔

کتاب کی تصنیف سے مصنف کے مقاصد:

اس کتاب کی تصنیف سے مصنف کا مطمحِ نظرکیا تھانیزاس

انداز کی کتاب لکھنے کی مصنف کو کیا ضرورت پڑی؟ مقدمہ کتاب میں اپنے مقصد کو بیان کرتے ہوئے مصنف تحریر فرماتے ہیں:

ان أصل وضع الكتاب كان الغرض منه تسهيل مواضيع الفقه الإسلامي على ائمة المساجد والعلماء وهؤ لاء عليهم أن يو ضحو ما يقف في سبيلهم من مجمل أو مبهم.

گویا مصنف یہ کتاب مساجد کے علماء اور ائمہ کے لیے فقہ اسلامی کو آسان بنانے اور اس کی تفصیلات سے انھیں واقف کرنے کے لیے تصنیف کی؛ جب یہ کتاب منظر عام آئی تو ہاتھوں ہاتھ لی گئی، علماء و باحثین کے مشورہ کے مطابق انھوں نے آئندہ ایڈیشنوں میں کافی کچھ اصلاح کی ہے، ان اصلاحات کی وضاحت کرتے ہوئے مصنف لکھتے ہیں:

أولا : ان اجعل لكل مسائل عناوين خاصة بها، كي يسهل على كل واحد أن يرجع إلى المسا لة التي يريدها بالنظر الى محتويات (الفهرست) بخلاف الكتاب الاول فإن مسائله كانت مخلوطة فلا يسهل على الناس الوقوف على اغراضهم منها.

پہلی بات یہ ہے کہ میں نے ہر مسئلہ کے لیے خاص عنوان مقرر کیا ہے تا کہ ہر وہ شخص جو کسی مسئلہ کی جستجو میں ہو محض فہرست دیکھ کر اس کے لیے اپنے مطلوبہ مسئلہ تک رسائی آسان ہو جائے۔

دوسری بات یہ ہے کہ میں نے یہ لازمی خیال کیا کہ جس رائے پر اتفاق بین المذاہب ہے؛ اسے سب سے پہلے متن میں ذکر کروں؛ تا کہ یہ مسلک نمایاں اور واضح ہو جائے اور اس میں غلطی کا کوئی امکان باقی نہ رہے؛ جب کہ سابقہ اشاعت میں یہ معاملہ نہیں تھا۔ جیسا کہ بہت سے ابواب مثلاً کتاب الصلاۃ، مباحث قبلہ، مباحث حیض، مباحث مسح جبیرہ، وغیرہ میں اس کا مشاہدہ کیا جس سکتا ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ میں نے کتاب کی سابقہ اشاعت کے بہت سے مقامات میں جو مسائل کتاب کے حاشیہ میں درج تھے، ان کی تحقیق کے لیے بہت زیادہ کتب فقہ کی طرف رجوع کیا اور جو کچھ بھی اجمال یا غلطیاں محسوس ہوئیں انھیں درست اور واضح کر کے میں نے اس کتاب میں بیان کیا۔

چوتھی بات یہ ہے کہ میں نے اس کتاب میں مسائل کو مکمل اور بھر پور وضاحت کے ساتھ ذکر کرنے کا اہتمام کیا؛ تا کہ اس کتاب کے مطالعہ کرنے والے ہر قاری کے لیے اپنے مقاصد تک رسائی آسان ہو جائے۔ کتاب الحج اور کتاب الصوم کے مسائل کی تسہیل و توضیح کا خاص اہتمام کیا تا کہ اس کو لوگ اچھی طرح سمجھ کر اس پر عمل کر سکیں۔

پانچویں یہ کہ میں نے اکثر مقامات پر مشروعیت کی حکمتوں کو بھی بیان کیا ہے؛ تا کہ مسائل قلب میں پیوست ہونے کے ساتھ ساتھ ذہن نشیں بھی ہو جائیں، نیز عقل عامہ بھی مطمئن ہو جائے۔ میری خواہش تو یہ تھی کہ ہر مسئلہ میں میں احکامِ شرعیہ کی حکمتوں کو لازمی طور پر بیان کروں؛ لیکن اس سے کتاب کی ضخامت دو چند ہو جاتی؛ لہٰذا میں نے اس سلسلہ کو مختصر کر دیا۔

چھٹا یہ کہ میں نے ائمہ اربعہ کے مستدلات کو بھی مستند احادیث کی کتابوں سے ذکر کیا ہے اور ہر مسئلہ میں بنیادی رجحانات کی بھی نشان دہی کی ہے۔

ذکر مسلک میں مصنف کا معمول:

مصنف کا معمول یہ ہے کہ سب سے پہلے متن میں ایک مسئلے کو ذکر کرتے ہیں؛ جو مسئلہ ان کے نزدیک سب سے زیادہ راجح ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر کتاب الطہارۃ میں مصنف نے معنی الطہارۃ فی اللغۃ کا عنوان قائم کیا ہے۔ اس کے تحت آپ نے لکھا: النظافة والنزاهة عن الاقذار والاوساخ سواء

كانت حسية أو معنوية .اس مفہوم کوانھوں نے حضرت عبداللہ بن عباس کی اس روایت سے مدلل کیا ہے جو صحیحین میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک مریض کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے اور فرمایا: لاباس طهور انشاء الله یہاں طہور فطور کے وزن پر ہے. مطهر من الذنوب یعنی گناہوں سے پاک کرنے والے کے مفہوم میں ۔یعنی رسول اللہ ﷺ نے بشارت دی کہ بیماری گناہوں کو دھلتی ہے، ظاہر ہے کہ گناہ تو معنوی گندگی ہے۔آگے علامہ جزیزی نے فرمایا کہ: اماتعريف الطهارة والنجاسة في اصطلاحي الفقهاء ففيه تفصيل المذاهب . ان تفصیلات کو انہوں نے حاشیہ میں بیان کیا ہے۔

سب سے پہلے حنفیہ کے مسلک کو نقل کرتے ہوئے کہتے ھیں :

الحنفية قالو ا:الطهارة شرعا النظافة عن حدث أو خبث فقولهم النظافة يشمل ما إذا نظفها الشخص أو نظفت ودها بأن سقط عليها ماء فازالها.

اس کے بعد علامہ نے حدث اصغر اور حدث اکبر کی تفصیلات بیان کی ہیں ، اس ضمن میں انھوں نے حنفیہ کے نقطہ نظر پر وارد کیے جانے والے کئی اعتراضات کو بھی ذکر کیا ہے اور ان کے جوابات بھی دیئے ہیں ۔خاص طور پر انزال کی وجہ سے غسل کی فرضیت اور خروج ریح کی وجہ سے وضو کی فرضیت کے سلسلہ کے سوالات کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے:

یعنی ہمارا یہ حق کہ ہم معاملات ومصالح کے سلسلے میں خوب مناقشہ کریں، ہر حکم کی حکمت کو جاننا ہمارا حق ہے، جب کہ حقوق اللہ اور خالص عبادات کا معاملہ اس سے مختلف ہے، انھیں تو ہم جذبہ بندگی کے ساتھ حکمت ومصلحت کی جستجو کے بغیر ادا کرنے کے مکلّف ہیں ؛ جب کہ دیگر اہل علم کا یہ کہنا ہے کہ شریعت کے تمام احکامات کی معقول حکمت اور مصالح ہیں ، یہ وہ گنج سربستہ ہے جو ہر ایک سے نہیں کھلتا اور بہتوں کے قلب پر من جانب اللہ اس کے اسرار کھول دیے جاتے ہیں ۔عبادات و معاملا میں چنداں فرق نہیں ہے۔

اس کے بعد حاشیہ میں فقہ حنفی کی تفصیلات کو ذکر کیا گیا ہے،اس کے بعد مالکیہ کے موقف کو واضح کیا گیا ہے۔اس کے بعد فقہ شافعی کے موقف کو ذکر کیا گیا ہے، اور اس کے بعد پھر حنابلہ کے نقطۂ نظر کو ذکر کیا گیا ہے۔اس سلسلے میں مصنف کا یہی معمول ہے کہ عام طور پر متن میں اس مسئلہ کو ذکر کرتے ہیں جو متفق علیہ ہوتا ہے ؛اس کی جزئیات میں جو اختلاف ہوتا ہے تو جزئیات کے اختلافات کو حاشیہ میں ذکر کرتے ہیں۔تقریباً پوری کتاب میں ان کا یہی معمول ہے۔

جیسا کہ پہلے بھی یہ بات آچکی ہے کہ اس کتاب کے عبادات کا حصہ درحقیقت وزارت اوقاف کے تحت مقرر کردہ علماءمشائخ کے ایک لجنہ کا تصنیف کردہ ہے۔اس لجنہ کے ایک اہم رکن علامہ جزیری بھی تھے؛ لیکن جب اس کے حصہ عبادات کی اشاعت کے بعد اس کتاب پر تنقید اور تبصرے ہوئے تو اس کتاب کی تنقیح ،تہذیب ،عبارت سازی، اسلوب کی تسہیل میں علامہ جزیری نے محوری اور بنیادی رول ادا کیا۔دیگر ابواب کا اضافہ فرمایا تو اس کتاب کی نسبت مکمل طور پر علامہ جزیری کی طرف کی جانے لگی اور موصوف نے اس سلسلہ میں دیگر علماء کی کاوشوں سے کافی حد تک استفادہ کیا۔

اس کتاب کے حوالہ سے کئی امور خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں: اوّل یہ کہ اس کتاب میں عام طور پر صرف مسائل کو بیان کیا گیا ہے، اسی طرح چاروں دبستانِ فکر کے ائمہ کے اقوال کو ذکر کیا گیا ہے۔اس کی حکمت تشریح کو بیان کیا گیا ہے؛ لیکن عام

طور پر کتاب اللہ وسنتِ رسول ﷺ و دیگر ادلہ شرعیہ سے متعلق مسئلہ کے دلائل بیان کرنے اور ایک کو راجح اور دوسرے کو مرجوح قرار دینے پر توانائی صرف نہیں کی گئی۔

علامہ جزیری نے اس کی وجہ بھی بیان کی کہ کتاب انھوں نے مساجد کے علماء وائمہ کے لیے تصنیف کی ہے تا کہ وہ مساجد میں اس کی تدریس کا فریضہ انجام دے سکیں۔ظاہر ہے اس طرح کی کتابوں میں ادلہ شرعیہ سے اس انداز میں تعرض نہیں کیا جاسکتا ہے۔جو معمول دیگر مفصل کتابوں میں ہے۔

کتاب پر اہل علم کا نقد و تبصرہ

علامہ جزیری اور اس کام کے لیے مقرر کردہ لجنہ سے وابستہ تمام علماء و مشائخ کی تمام تر محنت و مشقت اور مساعی جمیلہ کی تعریف وتوصیف کے باوجود اہلِ علم نے اس کتاب میں درآنے والی کئی فروگذشتوں کی بھی نشان دہی کی ہے اور ان پر تعقب بھی کیا ہے۔چند قابلِ ذکر اعتراضات مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) اس کتاب پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ مسالک کے نقل کے سلسلہ میں بعض مقامات پر فروگذاشت ہوئی ہے اور قابلِ اعتماد مسلک کو مصنف بعض مقامات پر نقل نہیں کرسکے؛ بلکہ بعض اوقات غیر معتمد اقوال کو نقل کردیا ہے۔

(۲) دوسرا نقد یہ کیا گیا کہ مصنف نے اپنے طور پر عبارت سازی اور جملہ سازی کی ہے۔معتمد علیہ نصوص فقہیہ کو ان کے مراجع سے نقل نہیں کیا ہے اور حوالہ جات کا اندراج بھی نہیں کیا ہے؛ جب کہ نقلِ مذہب میں فقہی نصوص اور مراجع کا ذکر کرنا از حد ضروری ہے۔

(۳) تیسرا نقد یہ کیا گیا ہے کہ یہ کتاب تمام ابوابِ فقہیہ پر مشتمل نہیں ہے۔کئی اہم فقہی ابواب کتاب میں شامل نہیں کیے جاسکے ہیں۔مثلاً کتاب الوقف کتاب القضاء وغیرہ۔

(۴) چوتھا نقد یہ کیا گیا کہ اس میں بعض اوقات مرجوح بلکہ متروک اقوال کو بھی نقل کردیا گیا ہے۔

(۵) پانچواں نقد یہ کیا گیا کہ بعض مباحث میں خلط مبحث ہے، لہٰذا اس کتاب کو مرجع اور حوالہ کی کتاب بنانا مناسب نہیں ہے۔جب تک دیگر اصلی مراجع سے توثیق نہ کرلی جائے اس وقت تک اس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

لیکن ان تمام اعتراضات کے جواب کے لیے بس اتنی بات کافی ہے کہ اس کتاب کی تصنیف کے مقصد کو سامنے رکھا جائے تو اس انداز کا کوئی بھی اعتراض وارد نہیں ہوگا کہ یہ آسان اسلوب اور عام فہم انداز میں فقہِ ائمہ اربعہ کے سلسلہ میں تصنیف کی گئی ایک درسی کتاب ہے۔جس کی تدریس مختلف مساجد کے حلقہائے درس میں کی جاتی تھی، اس کتاب کی تصنیف اسکالرس باحثین اور اربابِ افتاء کے لیے نہیں کی گئی۔اسلیے بعینہٖ کتبِ متقدمین کی عبارتوں کو نقل نہیں کیا گیا؛ بلکہ اس کے مقابلہ میں اسی مفہوم کو ادا کرنے کے لیے آسان عبارت پیش کی گئی۔ظاہر ہے کہ عام افراد کے لیے یہ ایک خوبی کی بات ہے جب کہ باحثین کے لیے یہ عیب ہے۔

ان میں سے بعض تبصروں کو الاسلام سوال و جواب کے مقالہ نگار نے اس طور پر بیان کیا ہے۔

۱۔عدمُ تحریرِ المعتمدِ من الاقوال عند المذاهب ، بل اعتماده كان على المرجوح عند المذهب فى بعض المسائل، وقد تتبع كثيرٌ من الباحثين ذلك فوُجد انه قد اخطا فى نسبة الاقوال إلى اصحابها من أهل المذاهب ، وليسَ ذلك فى كلِّ ما كتب بل فى كثيرٍ منها.

۲۔عدم توثيق النصوص، فالمولّف لا يعزو أى مقالة لاصحابها ، ولا لاى مرجعٍ فقهى ، وكل هذا قادح فى

مـادـةِالـكتـاب ، حتـى وإن كان اوضح ان مرجع مادته الـكتـب الـفـقـهية الا صـلية .وقـد سـئل الشيخ يوسف الشبيلى عن ذلك فقال:" اما كتاب"الفقه على المذاهب الاربـعة " فـلا انـصـح بـالاعتـمـاد عـليه ؛ فيه الكثير من الـخـلـط " !. وقـال الشيـخ مـحمد بلتاجى فى مقالةٍ له نشرهـا فـى مـجلة " الدارة " عام ١٩٧٧ : " لكننا ناخذ عـليـه إخـلاء كتـابـه بـصـورة مطلقة من المراجع القرية المنال وجوداً وفهماً لمن يقصدها من جمهرة المثقفين الـمسـلـميـن غيـر المتخصصين فى علوم الشريعة. كما نـاخـذ عـليـه إخـلائـه مـن بـعض أدلة المذاهب التى لا يستعصى إدراكها على هذه الجمهرة المثقفة ".

٣ ـ نـقـصُ الـكتـاب وعدم تمامه، كما يتضح من اطلع عـلـى الكتاب ونظر فى مباحثه.وقد نقلَ عن الشيخ عبد الـكـريـم الـخضير انه قال عنه : "الكتاب غير كامل، قد يـنـقـل بـعض المذاهب من كُتب غير مشهُورة فى هذهِ الـمـذاهـب، ويـعتـمـد روايـات غير معمُول بهافى هذهِ المذاهب " انتهى .

والـكتـاب لايـصـلـح مرجعاً لمن أرادَ أن يعرفَ المعتمد والـراجـح فـى أقـوال الـمذاهب الاربعة ، وكثرة اخطاء الكتاب جعلته مهجوراً عند العلماء والباحثين .

٤ ـ ينبغى لمن أرادَ ان يعرفَ آراءَ المذاهب المحررة أن يـاخذ الفقه من كتبهم المعتمدة ، ومن لـم يتيسر له ذلك فـليا خذها من الكتب المعتنيةبذكرالخلاف ممن عرف عـنـه الـعـلـم والتـحـقيـق ، كالإمام النووى فى كتابه " الـمجموع " ولـم يتمّه . وابن قدامة فى كتابه "المغنى " ، ومـن الـكتـب الـمعاصرة فى ذلك كتاب" الموسوعة الـفـقـهية الـكـويتية "وهــى مـوسـوعةٌ مشهورةٌ ، مـرتبة مسـائـلهـا عـلـى الـحـروف الهـجائية، وقد اشتغل فيها عشـرات العلماء والباحثين ، واحسنُ ما فيها : شمولها ، وتـحـرير المذاهب الاربعة من الكتب المعتمدة عندهم .(مـوقع الاسلام سوال وجواب . تحت اشراف الشيخ صالح المنجد)

مذکورہ سطور میں مقالہ نگار نے فروگذاشت کی چار جہات کی نشان دہی فرمائی ہے۔ممکن ہے کہ ان کی کئی ایک باتوں سے اتفاق نہ کیا جائے ؛لیکن بعض امور کو بالکل نظر انداز بھی نہیں کیا جاسکتا ہے۔

دیگر بعض حضرات نے مصنف کے طرز نگارش کی بڑی تعریف کی ہے؛ چنانچہ نیل وفرات ڈاٹ کام پراس کتاب کے تعلق سے یہ تحریر ہے: کتاب مهم جدا فى الفقه جامع لآراء الـمـذهـب الاربـعة فى المسائل الفقهية مما يجعل غنى عـن مـراجـعة الـكثيـر مـن الـكتــاب فـى هذاالمجـال. ويمتازالكتاب بقوة اسلوبه ودقتة وحسن اخراجه وغنى مـوضـوعـاتـه وقـد اشتمل الكتاب على الجزء الخامس الذى لم يتمكن المولف من اصداره قبل وفاته۔

یعنی یہ کتاب فقہ اسلامی میں بڑی اہمیت کی حامل ہے ۔ اس میں چاروں دبستان فقہ کی آراء کا احاطہ کیا گیاہے ،اس کتاب کے مطالعہ سے آپ اس فن کی دیگر کتابوں کے مطالعہ کے مستغنی ہو سکتے ہیں؛ یہ کتاب اپنے اسلوب کی قوت،عبارتوں میں دقتِ نظر اور پیش کرنے کے بہترین اسلوب کی وجہ سے دیگر کتابوں سے ممتاز ہے۔مصنف نے جن موضوعات کوذکر کیا ہے ان کا حق ادا کردیا ہے ۔قابل اطمینان امر یہ کہ جن ابواب کی تکمیل مصنف نہیں کر سکے تھے۔ بقیہ صفحہ نمبر ۲۳ پر............

آخرت

جنت کی ٹیکنولوجی

مصنف زین العابدین

چند مہینے پہلے ٹی وی کے ایک مشہور اسلامک چینل کا ایک کلپ دیکھا جس میں ایک بچہ سوال کرتا ہے کہ کیا جنت میں انٹرنیٹ ہوگا؟ تو ٹی وی اینکر ہکا بکا رہ گیا اور بچے کو ایسے دیکھنے لگا جیسے اس نے بڑا بے تکا سوال کر دیا؛ بھئی جنت کا انٹرنیٹ یا اس طرح کی کسی ٹیکنولوجی سے کیا لینا دینا؟ یہ تو دنیا کے بکھیڑے ہیں!

یہ کلپ دیکھ کر مجھے بڑی حیرت ہوئی اور اپنی ماں یاد آ گئی۔ بچپن میں میری مرحومہ ماں نیکی کی باتیں، انکی جزا اور برائی کی سزا سے متعلق بتایا کرتی تھیں، ان باتوں میں ایک یہ بھی تھی کہ جنت میں آپ جو خواہش کروگے وہ پوری ہوگی۔ آپ جو سوچو گے وہ آپ کے سامنے آ جائے گا۔ بچپن میں کھانا پینا ہی سب سے بڑا اثاثہ ہوتا ہے، سو سمجھانے کیلئے کہتیں اگر تم کچھ کھانا چاہو گے تو وہ تمہارے پاس آ جائے گا جیسے کوئی پھل فروٹ یا کوئی بھی چیز، یعنی آپ کو اسکے لئے کوئی مشقت یا دوڑ دھوپ نہیں کرنی پڑے گی، بس ادھر خواہش کی ادھر پوری ہوگئی۔

اس وقت تو ایسے ماحول کا فقط تصور ہی کیا جا سکتا تھا، لیکن ایک بات ضرور ہے کہ یقین سا ہوتا تھا کہ ایسا ہی ہوگا پر کیسے ہوگا اسکا کوئی آئیڈیا نہیں تھا، لیکن اب ٹیکنولوجی میں ترقی کے ساتھ یہ باتیں پریکٹیکل لگتی ہیں، سب سے پہلے تو ٹی وی رموٹ کنٹرول کی آمد اور دور سے اسکے بٹن دبانے سے ٹی وی کھلتا یا بند ہوتا تھا یا اسکے دوسرے بٹن کام کرتے تھے، پھر کئی اور چیزوں میں اسکا عمل دخل آ گیا جیسے کھلونے گاڑیاں، پھر کھلونے جہاز اور چند سال سے بڑے بڑے ڈرون رموٹ کنٹرول ٹیکنولوجی سے چلائے جانے لگے، اسی طرح موبائل فون کی آمد کے بعد تو جیسے انقلاب آ گیا، بس نمبر ملائیں اور سات سمندر پار بیٹھے لوگوں سے بغیر تار کے بات کر لیں، پھر سمارٹ فون نے تو جیسے دنیا ہی بدل کر رکھ دی، ساتھ ہی آواز (وائس کمانڈ) اور حرکت (موشن) سینسر سے چیزوں کو چلانے والی ٹیکنولوجی آ گئی جس نے رموٹ کنٹرول کو جیسے چھٹی دیدی، اب ادھر آپ نے زبان سے حکم نکالا وہاں حکم کی تعمیل ہونے لگی، آج کل آپ اپنے بہت سے ڈیوائسز وائس کمانڈ سے چلاتے ہیں جن میں بلب، پنکھے، دروازے اور بہت ساری دوسری اشیا آپ کے زبان سے نکلے حکم پر چلتی اور بند ہوتی ہیں، موبائل فون آپ کے حکم کی بجا آوری کرتے ہوئے سرچ کرنے اور کال ملانے سے لیکر ایپس کھولنے، بند کرنے کے علاوہ بہت سارے کام انجام دیتا ہے جن میں دور بیٹھے آپ گھر، دکان یا آفس کی نگرانی اور وہاں کوئی کل پرزے چلا اور بند کر سکتے ہیں۔

ٹیکنولوجی کی ترقی اور اسکی قبولیت ہمارے دور کی بڑی کامیابی ہے، اس وقت دنیا کو گلوبل ولیج کہا جاتا ہے، اگر دنیا میں کہیں بھی کوئی اہم واقعہ یا کوئی دریافت ہوتی ہے تو عموما چند منٹوں میں دنیا کے ہر کونے میں اس کی آگاہی مل جاتی ہے اور

پھر لوگوں کو یقین بھی ہو جاتا ہے کہ یہ ممکن ہے۔

آج کل معذور لوگوں کو مصنوعی اعضا لگائے جا رہے ہیں، جو اعصابی نظام سے جوڑ دئے جاتے ہیں، اس طرح انسان اپنی سوچ کے ذریعے اصل اعضا کی طرح انہیں حرکت دیتا ہے، اس ٹیکنولوجی کو نیورالنک کہا جا رہا ہے اور اس کے عام ہونے کے بعد شاید ہر انسان اپنی سوچ کی مدد سے وہی کچھ عام زندگی میں کر سکے گا جو وہ آج کل وائس کمانڈ سے کر رہا ہے جیسے بلب، پنکھا، ٹی وی وغیرہ کھولنے اور بند کرنے یا کوئی بھی کام کرنے کیلئے آپ فقط سوچیں گے اور وہ ہو جائے گا، یہ تو انسانی سوچ اور کھوج ہے جو اتنی شاندار ٹیکنولوجی بنا کر انسانی زندگی کو سہل بنا رہی ہے لیکن اللہ! جس نے اس کائنات اور انسان کو تخلیق کیا، اسکی ٹیکنولوجی یقیناً بہت ایڈوانس ہوگی بلکہ اگر کہا جائے کہ وہ ٹیکنولوجی کی انتہا ہوگی جسکے ذریعے جنت میں انسان جو خواہش کرے گا وہ فوراً پوری ہو جائے گی۔

ایسی ٹیکنولوجی کی مثالیں ۱۴۰۰ سال پہلے سے ہمارے سامنے ہیں لیکن ہم اپنے ذہن و خیال کی پستی کی وجہ سے ان کی بلندی اور روح تک نہیں پہنچ پاتے، چند ایک درج ذیل ہیں۔

1- واقعہ معراج: واقعہ معراج بجائے خود ٹیکنولوجی کا شاہکار تھا، جس میں حضرت محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم کو ٹائم اور اسپیس کی حدود سے نکل کر کائنات کی انتہا تک کا سفر رات کے چند لمحوں میں کرایا گیا۔

آجکل ایسی ہی ایک ٹیکنولوجی پر سائنسدان کام کر رہے ہیں جسے "ورم ہول" کہا جا رہا ہے اور اس کا تھیم یہی ہے کہ اگر انسان اس میں کامیاب ہو گیا تو دنیا کے چند گھنٹوں کے اندر کسی گیلیکسی کی سیر ممکن ہو جائے گی، لیکن اسے عمل میں لانے میں شاید ابھی کئی صدیاں یا ہزاروں سال لگ جائیں۔

فلم "انٹر اسٹیلر" میں ورم ہول دکھایا گیا ہے اور اس فلم میں ایک کردار خلا میں 2 سال کے قریب وقت گذارتا ہے اور جوان رہتا ہے، جب کہ زمین پر اس دوران 80 سال گذر جاتے ہیں۔

معراج سے واپسی پر مکہ مکرمہ میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے جب بیت المقدس کی تفاصیل پوچھیں گئیں تو مسجد القدس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لاکر رکھ دی گئی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ دیکھ کر اسکی ساری تفصیل بیان کر دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "پھر مسجد کو (میرے سامنے) لایا گیا، میں دیکھ رہا تھا حتیٰ کہ عقال یا عقیل کے دروازے کے پاس رکھ دی گئی، میں اس کا وصف بیان کرنے لگا اور میں اس کی طرف دیکھ رہا تھا (حدیث السلسلۃ صحیحہ 2192) شاید یہ بیت المقدس کا کوئی ہائی ٹیک ملٹی ڈائمینشنل ہولوگرام تھا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھ دیا گیا جسے دیکھ دیکھ کر آپ نے القدس کی تفصیلات بتائی ہونگی۔

ہولوگرام کسی چیز کا ورچوئل تھری ڈی ماڈل ہے جسے آپ کسی اسکرین کے مقابلے سامنے کے بجائے چاروں طرف سے دیکھ سکتے ہیں، ہولوگرام پر کامیابی سے تجربات جاری ہیں۔ ہولوگرام کو آپ "اسٹار وار" مووی میں دیکھ کر اندازا لگا سکتے ہیں کہ یہ کیا ہوتا ہے۔

3- واقعہ معراج ہی کے دوران آسمان کی بلندیوں سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو چار نہریں نظر آئیں؛ جن میں سے دو کے متعلق انہیں بتایا گیا کہ یہ دریائے نیل و فرات ہیں (صحیح بخاری، 3887) انٹرنیشنل خلائی اسٹیشن سے نظر آنے والے زمینی اجسام میں دریائے نیل و فرات بھی شامل ہیں، جبکہ یہی بات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ۱۴۰۰ سال پہلے بتا گئے، کیا اس

وقت کوئی تصور کرسکتا تھا کہ صدیوں بعد خلاء سے کبھی انہی چیزوں کو اسی طرح دیکھا جائے گا۔ کیا اب بھی واقعہ معراج اور اس کے ٹیکنولوجیکل کمال میں کوئی شک رہ جاتا ہے؟

4۔ قیامت کے دن جہاں اگلے پچھلے اربوں، کھربوں انسان ایک ہی میدان میں جمع ہونگے وہاں کیلئے کہا گیا ہے کہ جہنم کو گنہگاروں کے سامنے لایا جائے گا" اور وہ دن ہوگا جب ہم جہنم کو کافروں کے سامنے لائیں گے؛ (القرآن، سورۃ الکھف ۱۰۰) یہ کیسے ممکن ہوگا؟ جبکہ حدیث کے مطابق اسکی تپش 500 سال دور سے محسوس کی جا سکے گی یعنی جہنم شاید سورج سے کہیں زیادہ گرم اور بڑی ہوگی جبھی اسکی تپش اتنا دور سے محسوس کی جاسکے گی، شاید قیامت کے دن بھی کوئی ملٹی ڈائمینشنل ہولوگرام ہوگا یا ملین گیگا بائیٹ اسپیڈ کے ساتھ کوئی بہت بڑی اسکرین جس پر جہنمیوں کو جہنم میں جانے سے پہلے میدان حشر میں ہی جہنم دکھادی جائے گی، میدان حشر میں جنتی بھی ہونگے اور اسی طرح جنت انکے سامنے لائی جائے گی "اور جنت متقین کے قریب لے آئی جائے گی، کچھ بھی دور نہ ہوگی؛ سورۃ ق، ۱۳) یا شاید اگلے جہان میں ٹائم اور اسپیس کے ڈائمینشن ہماری دنیا سے مختلف ہونگے اور جسطرح آجکل دنیا گلوبل ویلیج ہے اسی طرح آخرت میں دوریوں کے باوجود فاصلے سکڑ جائیں گے۔

اسکا صحیح تصور کرنا تو شاید ممکن نہ ہو لیکن جادوئی فلموں جیسے کہ "ہیری پوٹر" وغیرہ کو دیکھنے سے ایسی باتوں کا تصور کیا جاسکتا ہے جسمیں اداکار ایک پردے کے اس پار جاتے ہیں تو دوسری دنیا میں پہنچ جاتے ہیں۔

5۔ روز محشر نامہ اعمال ہاتھ میں تھما دیا جائے گا جس میں زندگی بھر کی گئی ذرہ برابر نیکی اور ذرہ برابر ہر برائی درج ہوگی (سورۃ الزلزلۃ) دنیا میں لوگوں کی بایوگرافی کی کتب جن میں ان لوگوں کی زندگی کے فقط خاص خاص احوال درج ہوتے ہیں کئی سو صفحات پر مشتمل ہوتی ہیں، جبکہ نامہ اعمال میں انسان کی زندگی کے لمحے لمحے کی داستان ہوگی، تو آپ اندازہ کیجئے کہ کتنی ضخیم کتاب ہوگی، کیا یہ کوئی کاغذ والی کتاب ہوگی؟ نہیں بلکہ شاید یہ کوئی موبائل یا آئی پیڈ ٹائپ کی بہت ہی ایڈوانس ڈوائس ہوگی جو کسی بھی انسان کی پوری زندگی کی ہولوگرافک پریزینٹیشن پر مشتمل ہوگی اور وہ انسانی ذہن سے کنٹرول ہونے والی ہوگی جس سے انسان اپنی زندگی کے کسی لمحے کے فعل کو اس میں موجود اور زندہ پائے گا اور اپنی سوچ کے ساتھ آسانی کے ساتھ اسکی ورق گردانی کر سکے گا۔

6- جب جنت اور جہنم آباد ہوجائیں گی، تب ان کے باسی ایک دوسرے سے مکالمہ بھی کریں گے (سورۃ اعراف آیت ۴۴ سے ۵۰)۔ حدیث میں ہے کہ "جنت کے سو درجے ہیں اور ہر درجے کے درمیان اتنا ہی فاصلہ ہے جتنا آسمان اور زمین کے درمیان ہے (جامع ترمذی ۱۳۵۲ و دیگر) اور بہت سی جنتیں ہیں (صحیح بخاری ۲۸۹۳) اس سے لگتا ہے کہ جنت شاید سینکڑوں سیاروں پر مشتمل ہوگی اور ایک پوری کائنات ہوگی، قدرتی طور پہ جہنم ان سے کہیں دور واقع ہونی چاہئے تو جنت و جہنم کے لوگ ایک دوسرے کو دیکھ کر کس طرح آمنے سامنے کی طرح باتیں کر سکتے ہیں؟ میرے خیال میں یہ رابطہ بھی کسی بہت بڑی اور طاقتور لیکن دوطرفہ اسکرین کے ذریعے ہوگا جو انتہائی ہائی ٹیک انٹرنیٹ سے منسلک ہوگی اور دونوں طرف کے لوگ بالکل آمنے سامنے کی طرح ایک دوسرے سے باتیں کرسکیں گے۔

7۔ جنتیوں کو محلات اور سلطنتیں یا جاگیریں عطا ہونگی۔ حدیث کا مفہوم ہے کہ جنتی اپنے خیمے (یا محل) کے سب حصوں کو دیکھ سکے گا جبکہ دیگر لوگ بقیہ صفحہ نمبر ۲۷ پر..................

حقائق

سعودی حکومت کے جرائم اور اسلام مخالف فیصلوں کے تسلسل کے تناظر میں ایک فر انگیز تحریر

از: پروفیسر محسن عثمانی ندوی

ملک عبدالعزیز سعودی عرب کے ایک دیندار حکمراں تھے، شاہ فیصل اسی سعودی خاندان کے بیدار مغز، اسلامی حمیت سے لبریز اور مسلمانوں کے خیر خواہ تھے، عالم عرب کی دینی تحریک اخوان المسلمون کے ہمدرد تھے، اور انہوں نے مغربی طاقتوں کو تیل کی سپلائی بند کرنے کا تاریخی قدم اٹھایا تھا، اسی خاندان کا اب ایک "ولی عہد" اسلام کو رسوا کرنے والا، اور مغربی طاقتوں اور امریکہ کے چشم وابرو کو دیکھ کر چلنے والا اور اخوان کو دہشت گرد قرار دینے والا بد اطوار شہزادہ ہے جو حرمین شریفین کی سرزمین میں رسوا کن تبدیلیوں کا اور مغربی ثقافت کا اور فسق وفجور کا علم بردار ہے، ایک فارسی شاعر غنیؔ نے کہا تھا پیر کنعان (حضرت یعقوب) کی سیہ بختی کا اور غم کا کیا حال بیان کیا جائے کہ جس کے صاحب زادہ نے یوسفی کا نام روشن کرنے کے بجائے زلیخائے وقت کی دلی آرزو اور گناہ کی تمنا پوری کر دی اور اس کے دام ہوس کا شکار ہو گیا، اور اس نے خاندان کی عزت کو داغدار کر دیا۔

غنی روز سیاہِ پیر کنعاں را تماشا کن
کہ نورِ دیدہ اش روشن کند چشم زلیخا را

سعودی عرب میں اس وقت جو تبدیلیاں آرہی ہیں اس کا آغاز ۶۰-۷۰ سال پہلے شروع ہو گیا تھا، شروع میں زیادہ تر لوگوں کو اس کا احساس نہیں ہو سکا تھا- ۱۹۵۰ء میں مولانا ابوالحسن علی ندوی نے مکہ مکرمہ سے اپنے بڑے بھائی ڈاکٹر عبدالعلی صاحب کو خط لکھا تھا، اس میں اپنے شدید رنج وتاثر کا اظہار کیا تھا، اس میں یہ جملہ موجود ہے کہ ”عالم اسلام کا قبلہ بیشک مکہ مکرمہ ہے لیکن مکہ مکرمہ (سعودی عرب) کا قبلہ امریکہ بن گیا ہے،“ انہوں نے حقیقت حال کی ایسی سچی تصویر اپنے موئے قلم سے کھینچی تھی جس سے بہتر تصویر ممکن نہیں تھی، انہوں نے خط میں لکھا تھا کہ ”خالص عربی لباس میں کتنے دل ودماغ خالص مغربی بن چکے ہیں“

اب پچھلے چند برسوں سے یہ تبدیلیاں اور برائیاں انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ سعودی عرب میں داخل ہونے لگی ہیں اور ملک کی تہذیب ومعاشرت کو چشم زدن میں بدل دینے اور امریکی ثقافت کے ہم دوش بنا دینے کی کوشش ہو رہی ہے، سینما ہال اور تھیٹر وبائے عام کی طرح پھیلتے جا رہے ہیں، شاید وہ دن بھی آنے والے ”بنے گا سارا جہاں میخوانہ، ہر کوئی بادہ خوار ہوگا“

سعودی عرب کے حکمراں جنہیں اپنے ملک کو امریکہ اور مغرب کی عسکری طاقت اور صنعتی طاقت کا ہمسر بنانے کی کوشش

کرنی چاہئے تھی اور اسلامی تہذیب وتمدن کی حفاظت اپنی جان سے بڑھ کر کرنی چاہئے تھی جنہیں مسجد اقصی کا غم ایسا ہونا چاہئے تھا جیسا کسی ماں کا غم ہوتا ہے، جس کا بچہ موت کی آغوش میں چلا جائے اور اس کے اندر ایسی حمیت ہونی چاہئے کہ فلسطین کی سرزمین پر اسرائیل کا وجود برداشت نہ کر سکے جو اسلام کے پیغام کو پوری دنیا میں پھیلانے کا عزم کرے۔ لیکن اب یہ حکمراں قصداً اور عمداً تعیش اور تفریح کا ذوق عوام وخواص سب پر مسلط کر رہے ہیں۔ عریاں رقص اور بے حیائی کے مناظر کو فروغ دیا جارہا ہے اب یہ حال ہوگیا ہے کہ دنیا کے ہر مسلمان کی زبان پر یہ مصرعہ ہے ''چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی''۔

سعودی عرب دینی اخلاقی خودکشی کی طرف جارہا ہے، اخلاقی قدریں پامال اور بد اخلاقی کے پودے نہال ہیں، ہر مسلمان کو درد وغم ہے کہ سعودی حکمراں اب مغربی تہذیب اور اباحیت اور اخلاقی پستی کے مخالف ہونے کے بجائے اس کے پرچم بردار بن چکے ہیں، اس مغرب زدگی کا جتنا بھی ماتم کیا جائے کم ہے، بقول کلیم عاجز

''جناب شیخ پر افسوس ہے، ہم نے تو سمجھا تھا
حرم کے رہنے والے ایسے نا محرم نہیں ہوں گے''

موجودہ سعودی عرب کا موجودہ منظر نامہ اختصار کے ساتھ یہ ہے:

۱۔ سعودی عرب اپنا تشخص کھوتا جارہا ہے، حرم اور مسجد نبوی کے کسٹوڈین اور خادم الحرمین ہونے کی وجہ سے اس کی جو مثالی شخصیت اور قائدانہ حیثیت تھی ختم ہوتی جارہی ہے، امر بالمعروف کے بجائے امر بالمنکرات پر زور صرف ہورہا ہے مغربی تمدن اور اقدار کو بے چوں چرا قبول کیا جارہا ہے بلکہ ان کو رواج دیا جارہا ہے، بڑے شہر میں سینما ہال اور کاسینو کھولے جارہے ہیں، ساحل سمندر پر ایسی تفریح گاہیں بنائی جارہی ہیں جہاں خواتین صرف بکنی پہن کر لباس برہنگی میں جاسکیں گی اور جہاں عام دیدار یار ہوگا''۔ پردہ جو ایک اسلامی شعار تھا وہ عقل پر سعودی حکمرانوں کے پڑ گیا ہے، پوری قوم نغمہ وساز اور عود وبخور میں غرق ہوگئی ہے حرم رسوا ہوا پیر حرم کی کم نگاہی سے'' اب جزیرۃ العرب اسلام کی پناہ گاہ نہیں چراہ گاہ بن گیا ہے، پتھر تو ہیرا بنتا ہے لیکن یہاں ہیرا پتھر بن رہا ہے۔ اس جرم کے خلاف آواز بلند کرنا ضروری ہے، برائیوں کو اور گناہوں کو برداشت کر لینا بھی گناہ کر لینے کی طرح کا جرم ہے اور اس کی سزا بھی بہت سخت ہے، جو لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے اجتناب کرتے ہیں وہ عذاب الٰہی کے مستحق ہوجاتے ہیں۔

۲۔ جن تنظیموں نے ملک کے اندر اور بیرون ملک نوجوانوں کی تربیت کے لئے عربی زبان میں بہترین اسلامی لٹریچر تیار کیا ان تنظیموں کو اور ان کتابوں کے مصنفین کو دہشت گرد قرار دیا گیا ہے۔ یوسف القرضاوی جیسی شخصیت جو عالم اسلام کے بڑے عالم دین ہیں اور جن کی خدمات کے اعتراف میں پہلے خود سعودی حکومت فیصل ایوارڈ دے چکی ہے وہ اب معتوب مغضوب ہیں اور ان کو دہشت گرد قرار دے دیا گیا ہے۔

اخوان المسلمون کی اسلامی حکومت مصر میں محمد مرسی کی صدارت میں قائم ہوئی لیکن اس صالح حافظ قرآن اور متقی انسان کی حکومت اسے گوارا نہ ہوسکی۔ مصر کی اخوانی حکومت کا خاتمہ کرنے کے لئے سعودی عرب نے پانچ ہزار ملین ڈالر کی مدد کی، مرسی کی حکومت کا تختہ الٹنے کی سازش میں پورے طور پر ملوث سعودی حکمراں تھے تاکہ مصر پھر سے بدکاری کا اڈہ بن جائے اور وہاں شراب وکباب کی ساری سرمستیاں شروع ہوجائیں، سعودی عرب کی مالی سرپرستی میں ہزاروں اخوانیوں کو

مسجد رابعہ میں اور میدان تحریر میں اور رابعہ عدویہ کے میدان میں شہید کیا گیا۔اسلامی حکومت سعوی عرب کے لئے ایک ڈراونا خواب ہے،خود سعودی عرب میں اسلامی حکومت نہیں ہے، وہاں کا سیاسی نظام معاشی اور مالیاتی نظام سب غیر اسلامی ہے، اسلامی نظام عدل کا مطالبہ کرنے والے جیلوں میں بند ہیں۔

۳۔سعودی عرب کے عالم وداعی شیخ محسن العواجی کو جیل میں بند کیا گیا، شیخ محمد عریفی کو گرفتار کیا گیا،مشہور زمانہ کتاب "لاتحزن'' کے مصنف شیخ عائض القرنی، شیخ سلمان بن عودہ شیخ سفرالحوالی شیخ سعد الفقیہ اور شیخ محمد المسعری اور شیخ محسن العواجی کو حق اور ضمیر کی آواز بلند کرنے پر پابندیوں کا اور نظر بندی کا سامنا کرنا پڑا، انہوں نے بولنا چاہا تو ان کی زبان بند کر دی گئی ،اب ملت کے باضمیر علماء ہر حلقہ زنجیر میں اپنی زبان رکھنے کی کوشش کرتے ہیں تو ان کی آواز کا گلا گھونٹ دیا جاتا ہے اور دھمکیاں دی جاتی ہیں، پچاسوں علماء ہیں جو خوف سے بہ آواز بلند کچھ کہنے کی ہمت نہیں کرتے ہیں۔اور وہ گھٹن محسوس کرتے ہیں انہیں بولنے کی آزادی حاصل نہیں ہے۔

۴۔سعودی عرب کے جرائم کا رکارڈ بہت طویل ہے اس نے دنیائے اسلام کے تمام بد کردار حکمرانوں کی سرپرستی کی، تیونس کے بدکردار حاکم زین الدین بن علی کو پناہ دی، سعودی عرب نے حسنی مبارک کی حمایت میں بھی فتوے جاری کئے تھے لیکن یہ تیر نشانہ پر نہیں لگ سکا اور آخر کار مصر کے اسلام پسند عوام نے حسنی مبارک کا تختہ الٹ دیا۔

۵۔حرمین شریفین خطرہ میں ہے، ملک کے اندر اور باہر امریکی فوجیں موجود ہیں، امریکہ کے لئے سب سے بڑی لالچ سعودی عرب کا پٹرول ہے، اس وقت آئینہ امروز کے ساتھ اندیشہ فردا رکھنے کی سخت ضرورت ہے، اپنے ملک کو اس حالت میں رکھنا کہ کوئی غیر ملکی طاقت اس پر آسانی سے قبضہ کر لے جیسے کوئی گدھ گوشت کا ٹکڑا اچک لے جائے، یہ جہالت بھی ہے اور نادانی بھی ہے، ٹھیک ہے بظاہر فوراً اس کے ابھی آثار نہیں ہیں لیکن مستقبل کو کون جانتا ہے، کیا ماضی میں ایسا نہیں ہوا تھا کہ فرانسیسی استعمار نے مصر پر الجزائر اور مراکش اور شام پر قبضہ کیا تھا، کیا برطانیہ نے فلسطین پر قبضہ نہیں کیا تھا اور اس کے بعد وہاں اسرائیل کا قیام عمل میں آیا، سعودی عرب نے تاریخ سے سبق کیوں نہیں سیکھا ہے، حرمین شریفین کی حفاظت کا طریقہ یہ تھا کہ سعودی عرب کو امریکہ اور مغربی طاقتوں کے ہم پلہ طاقتور ملک بنایا جاتا، اس کے لئے ضرورت تھی کہ ملک کو سائنسی اور صنعتی اعتبار سے ترقی دی جاتی، اسلحہ سازی کی جاتی، وہاں ہر طرح کے صنعتی کارخانے قائم کئے جاتے، صنعتی انقلاب کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے، ایک سرمایہ اور دوسرے علمی اور سائنسی قابلیت کی، جہاں تک سرمایہ کا تعلق ہے تو پٹرول کے ملکوں کے پاس جو دولت اور ثروت ہے، اس سے بہت کم سرمایہ سے انگلینڈ میں صنعتی انقلاب آیا تھا اور جہاں تک تجربہ اور علمی قابلیت کی ضرورت ہے تو سعودی عرب اور خلیجی ملک پورے عالم اسلام سے جو ہر قابل کو اکٹھا کر سکتے تھے، کم نظری اور بے بصری ہے کہ یہ سب بالکل نہیں کیا گیا اور پوری قوم کو صارفین کی کنزیومرس کی قوم بنا کر رکھ دیا گیا ہے اور اقبال کا مصرعہ ان خلیجی ملکوں پر صادق آتا ہے ''جس کو آتا نہیں دنیا میں کوئی فن تم ہو'' وحی الٰہی کے حکم کی صاف طور پر خلاف ورزی کی گئی، جس میں اسلحہ سازی کا حکم دیا ہے اور معیار یہ بنایا گیا ہے تمہارے دشمن اور خدا اور رسول کے دشمن تم سے خوف زدہ ہو جائیں، اگر کہا جائے کہ

سعودی عرب اور خلیج کے حکمرانوں نے آخر درجہ کی نا اہلیت کا ثبوت دیا ہے تو یہ بات ہرگز غلط نہیں ہوگی۔

ساری دولت خرچ کر کے وہ اسلحے باہر سے منگائے جاتے ہیں جن کا استعمال بھی سعودی فوج نہیں جانتی، کیا اسی طرز حکمرانی سے اسرائیل کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے اور اسلام کی سربلندی کے کام کئے جا سکتے ہیں؟

۶۔ ملک میں سعودایزیشن شروع ہو چکا ہے یعنی صرف سعودی شہریت رکھنے والوں کو ملازمت دینے کا حکم جاری ہو چکا ہے، غیر سعودیوں کے لئے ملازمت کے دروازے بہت محدود کردئے گئے ہیں اور غیر سعودی خاندان کے ہر فرد پر بچے اور بوڑھے مرد اور عورت سب کو تین سو ریال ماہانہ ٹیکس ادا کرنے کا فرمان جاری ہوگیا ہے، آئندہ اس میں سال بسال اضافہ ہوتا رہے گا، یعنی دوسرے ملکوں کے ملازمین اپنے گھروں کو بھیجنے کے لئے جو بچت کرتے تھے، اس بچت کو ان سے چھین لیا گیا ہے پہلے زمانہ میں اسلامی ملکوں میں غیر مسلموں سے جو جزیہ لیا جاتا تھا وہ بھی اس سے بہت کم ہوا کرتا تھا، غیر ملکیوں پر اس نئے قسم کے جزیہ'' کے قوانین کی وجہ سے سعودی عرب میں کام کرنے والے ہزاروں ہزار غیر سعودی ملازمین اپنے اپنے ملکوں کو افتاں و خیزاں بادیدہ گریاں واپس جارہے، ہیں اس شاہی حکم نامہ کی وجہ سے دکانیں بند ہوری ہیں اور بازار بے رونق ہورہے ہیں کیونکہ ان دکانوں پر غیر سعودی ملازمین ہی بیٹھا کرتے تھے، ایک صاحب گھر سے دوائیں خریدنے کے لئے مارکٹ پہونچے تو انہوں نے دیکھا کہ بازار میں میڈیسن کی دونوں دکانیں (صیدلیۃ) بند ہیں، انہوں نے ایک پاکستانی سے وجہ پوچھی تو اس نے شاعرانہ انداز میں جواب میں کہا ''وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے'' سعودی باشندوں کو اس نئی غیر منصفانہ پالیسی کا نقصان یہ اٹھانا پڑا ہے کہ ان کی دکانیں بازار اور مال اور ہوٹل تو بند ہوتے ہی جارہے ہیں ان کے گھر بھی جو غیر سعودی باشندے کرایہ پر لیتے تھے ویران ہوگئے ہیں اور ہزاروں گھروں پر تالے لٹکتے ہوئے نظر آتے ہیں، سعودی عرب کے ایک شہر'' دمام'' کے ایک بہت بڑے اسکول میں ۶۳ ر ہزار غیر ملکی طلبہ پڑھتے تھے ان کی تعداد اب ۶۱ ر ہزار رہ گئی ہے یہی حال جدہ کے اسکولوں کا بھی ہے، ایک ویرانی سی ویرانی ہے، گلشن مملکت سعودی عرب میں خزاں چھا گئی ہے۔

خزاں کے ہاتھوں گلوں پر نہ جانے کیا گذری
چمن سے آج صبا بے قرار گذری ہے

۷۔ سعودی عرب امریکہ اور مغربی ملکوں کے جال میں پوری طرح سے پھنس چکا ہے، سعودی عرب پہلے ایک بہت خوش حال ملک تھا، اب وہ خستہ حال ملک ہو چکا ہے اور پہلے انٹرنیشنل مونیٹری فنڈ (آئی ام اف) اور ولڈ بینک کا وہ مقروض نہیں تھا اب وہ ان اداروں سے قرض لینے پر مجبور ہورہا ہے لیکن اس کے باوجود اربوں اور کھربوں ڈالر کے مالیاتی معاہدے وہ دلداری اور دل بدست آوری کے لئے امریکہ اور مغربی ملکوں سے کررہا ہے اور ایسے ہتھیار خرید رہا ہے جن کا استعمال سعودی فوج کے بڑے سے بڑے جنرل بھی نہیں جانتے ہیں، نہ ان کو اس کی ٹریننگ ملی ہے، یہ سارے ہتھیار برائے زینت و آرائش اور برائے نمائش ہیں، اس کے مقابلہ میں ترکی ہے جو آئی، ایم، ایف- اور ورلڈ بینک کو قرض دینے کی پوزیشن میں آگیا ہے اور جس نے اپنے یہاں تنخواہوں میں تین سو فیصد کا اضافہ کردیا

ہے،سعودی عرب بجائے اس کے کہ ترکی سے سبق حاصل کرتا اور اس کو دوست بناتا، اس نے بغض وحسد کی وجہ سے ترکی کو شیطان اور بدی کا محور قرار دے دیا ہے،ایسی ناشائستہ زبان ترکی نے کبھی استعمال نہیں کی،اسی سے ترکی اور سعودی تہذیب کا فرق معلوم ہوسکتا ہے۔

آخری بات:

اب آخری بات،مقطع میں آپڑی ہے سخن گسترانہ بات: آج کچھ دردمرے دل میں سوا ہوتا ہے، دل میں طوفان اٹھ رہا ہو اور غیرت اور حمیت کی وجہ سے خون کھول رہا ہو،تو خود بخود جوش وجوانی،شعلہ بیانی اور تحریر میں جولانی اور قلم میں روانی پیدا ہوجاتی ہے، یہ ہنر زخم نمائی ہے نہ کہ بے مقصد مضمون نگاری، یہ زخم کی نمائش نہ کہ الفاظ کی نمائش،اگر ہم حرم کی سرزمین میں چراغ نہیں جلا سکتے تو اپنا دل تو جلا سکتے ہیں،غم اور غصہ کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کی عزت وناموس خطرہ میں ہے اور اس وقت سعودی عرب میں اسلام کی عزت داغ دار ہورہی ہے،سعودی عرب کی، اپنے مقدس مقامات کی وجہ سے، تمام مسلمانوں کے دلوں میں خاص منزلت ہے، جب سعودی عرب اپنا قبلہ امریکہ کو بنالے گا اور اس کا تابع فرمان ہوگا تو اس کی تکلیف ہر مسلمان اپنے دل میں محسوس کرے گا،اس کا خون کھولے گا، چنانچہ آج دنیا کے تمام مسلمان سعودی عرب کے نئے حالات کی وجہ سے بےچین اور مضطرب ہیں، یہ اضطراب خود سعودی عرب میں عوام اور خواص میں موجود ہے،خود سعودی خاندان غیر مطمئن ہے،علماء مجبور ہیں کہ بات پر واں زبان کٹتی ہے'' اور چلی ہے رسم کہ کوئی نہ سر اٹھا کے چلے'' وہاں کے علماء خوف تعزیر سے چپ رہتے ہیں،خود سعودی عرب میں حمیت اور غیرت والوں نے زبان کھولنے کی کوشش کی تو ان کو خاموش کردیا گیا،سعودی عرب میں حالات کو صحیح رخ پر ڈالنے کے لئے قیادت کی تبدیلی یا اصلاح از بس ضروری ہے۔

آج مشرق ومغرب کے مسلمان بے چینی سے اس ملک کے افق پر ایک نئے ستارہ کے طلوع ہونے کا انتظار کررہے ہیں: اس ملک میں فوجی بغاوت اس لئے ممکن نہیں ہے کہ امریکی فوج جو ملک کے اندر اور باہر قریب کے ملکوں میں موجود ہے وہ اپنی لاڈلی حکومت اور لاڈلے شہزادے اور تخت سلیمانی کی حفاظت کے لئے عفریت من الجن والی طاقت سے پلک جھپکتے پہونچ جائے گی اور ہم خود بھی فوجی بغاوت اور خون ریزی نہیں چاہتے ہیں اور ہمیں اس بات کا بھی اطمنان نہیں ہے کہ جو لوگ انقلاب بردوش بن کر آئیں گے وہ کتنے اسلام کے وفادار ہوں گے،لیکن اصلاح بہرحال ضروری ہے اور اس اصلاح کی ذمہ داری دنیا کے علماء کرام کے دوش ناتواں پر ہے۔

اب علماء بھی اگر خاموش ہوجائیں اور خوف سے یا ویزے کی لالچ میں لب سی لیں تو حق کی بات کون کہے گا،اور کلمۃ حق عند سلطان جائر'' کا فریضہ کون ادا کرے گا،ایسا محسوس ہونے لگا ہے کہ سعودی عرب اور علماء کے درمیان کوئی ناجنگ معاہدہ ہوگیا ہے اور کوئی خفیہ سمجھوتہ ہوگیا ہے،سعودی عرب میں کچھ بھی ہو علماء خاموش رہتے ہیں،اس وقت ہر مفکر ہر صاحب قلم اور صاحب زبان اور ہر صاحب ایمان پر اگر اس کا ضمیر زندہ ہے اصلاح کا فریضہ عائد ہوتا ہے، یہ برائیاں کہیں بھی ہوں وہ برائیاں کہلائیں گی لیکن ان برائیوں کا جزیرۃ العرب میں پایا جانا ناقابل برداشت ہے، اس وقت ہر مسلمان سر بزانو ہے، سر بگریباں ہے، انگشت بدنداں ہے کہ یہ کیا ہورہا ہے حرم کی

سرزمین پر اسلام کی بے حرمتی ہورہی ہے، اس لئے اب عالمی پیمانہ پر رائے عامہ کی تشکیل کی ضرورت ہے۔

عالم اسلام کے ملکوں میں اردو عربی اور انگریزی میں اور دوسری زبانوں میں بیانات دینے اور سعودی عرب کی قیادت کو اصلاح کی طرف متوجہ کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ ’’الدین النصیحة‘‘ یعنی دین خیرخواہی کا نام ہے، تمام مسلمان علماء اور قائدین سلفی اور حنفی، اہل حدیث اور اہل سنت والجماعت، دیوبندی اور بریلوی سب برسرعام اور برسرمنبر اس بات کا اظہار کریں کہ سعودی عرب میں جو تبدیلیاں لائی جارہی ہیں وہ ناقابل قبول ہیں اور وہ صاف کہیں کہ حرمین شریفین کی سرزمین پر کسی کی اجارہ داری نہیں، وہ کسی کی ذاتی ملکیت اور جائداد نہیں اور قائدین اور علماء اپنے بیانات کی کاپی سعودی سفارت خانہ کو بھی بھیج دیں اور یہ سعودی سفارت خانہ کی ذمہ داری ہے کہ مسلمانوں کی رائے عامہ اور اضطراب کی خبر اپنے یہاں وزارت خارجہ تک پہونچائے، لیکن سفارت خانہ اپنی کارگذاری دکھانے کے لئے صرف وہ چیزیں بھیجتا ہے جس میں سعودی عرب کی تعریف اور ستائش ہوتی ہے۔

ایک عالم دین نے فرمایا کہ ہم اگر تنقید کریں گے تو پھر ہمارے عمرہ کا کیا ہوگا اور ہمیں ویزا کیسے ملے گا‘‘ ایسے کج اندیش اور کج فکر عالم کو کیسے سمجھایا جائے کہ اگر حق گوئی کی یہ قیمت ادا کرنی پڑے کہ آدمی عمرہ سے محروم ہوجائے تو اس حالت میں عمرہ نہ کرنے کا ثواب عمرہ کرنے سے بڑھ جاتا ہے۔

زاد المعاد میں اور سیرت کی کتابوں میں ایک اہم واقعہ مذکور ہے جس سے یہ استدلال کیا جاسکتا ہے کہ اسلام کی سربلندی کے لئے اور حق کا ساتھ دینے کے لئے عمرہ اور طواف کعبہ جیسی عبادت کو بھی چھوڑا جاسکتا ہے، واقعہ یہ ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کے ارادہ سے حدیبیہ کے مقام پر پہونچے تو قریش غصہ میں بے قرار اور خفا تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان کو قاصد بنا کر قریش کے پاس بھیجا تا کہ وہ اطمنان دلادیں کہ ہم جنگ کے لئے نہیں آئے ہیں بلکہ عمرہ کے ارادہ سے آئے ہیں۔ حضرت عثمان گئے اور ابو سفیان اور قریش کے دوسرے سربرآوردہ حضرات سے گفتگو کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہونچایا، اس موقعہ سے قریش کے سرداروں نے کہا کہ آپ اگر عمرہ اور طواف کرنا چاہیں تو کرلیں۔

حضرت عثمان نے اس موقع اور اجازت سے بالکل فائدہ نہیں اٹھایا اور صاف کہہ دیا کہ جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم طواف اور عمرہ نہیں کریں گے، ہم بھی نہیں کریں گے، جب حضرت عثمان حدیبیہ واپس پہونچے تو مسلمانوں نے کہا کہ تم تو بہت فائدہ میں رہے عمرہ اور طواف کرلیا اور اپنے دل کا ارمان نکال لیا، حضرت عثمان نے جواب دیا تم لوگوں نے بدگمانی سے کام لیا ہے، قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر مجھے ایک سال بھی وہاں ٹھہرنا پڑتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف فرما ہوتے تب بھی میں اس وقت تک طواف نہ کرتا جب تک حضور طواف نہ فرمالیتے، مجھے تو قریش نے طواف کی دعوت بھی دی تھی مگر میں نے صاف انکار کردیا، اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حرمین شریفین کی بے حرمتی اس طرح ہورہی ہو کہ وہاں حاکم وقت کی ایما پر فسق وفجور کو فروغ دیا جارہا ہو تو محض عمرہ کی خواہش پوری کرنے کے لئے حق گوئی سے اعراض کرنا درست نہیں اور وہ اصحاب قلم اور وہ تمام سالک وصوفی اور تمام شیوخ وامام مجرم ہیں جو امید کرم پر ایسے حاکموں کے لئے شعری اور نثری قصیدے لکھتے ہیں اور اس

کے سفارت خانہ میں اپنا دست طلب دراز کرتے ہیں، وہ عمرہ بہت مہنگا بھی ہے اور بے ثواب بھی ہے، جو ضمیر کو موت کی نیند سلا کر کے کیا جائے۔

کیا برصغیر کے علماء واقعی بے ضمیر ہو چکے ہیں کہ صرف حج وعمرہ کے لئے اور ایک کف جو کے عوض حق گوئی سے گریز کریں گے، ہندوستان میں مسلم پرسنل لا بورڈ کے عالی قدر صدر حضرت مولانا محمد رابع حسنی ہیں، جو رابطہ عالم اسلامی کے منبر ہیں، مولانا بہت لائق احترام ہیں لیکن ان کا ایک خاص مزاج ہے، وہ کسی مسئلہ پر کبھی کوئی بیان نہیں دیتے ہیں ان کی ناراضگی کے اظہار کے لئے بس یہ کافی ہے کہ انہوں نے برسوں سے رابطہ ادب اسلامی کے جلسوں میں شرکت بند کردی ہے، رابطہ عالم اسلامی کے ممبر مولنا ارشد مدنی بھی ہیں، مجھے نہیں معلوم کہ انہوں نے اپنی ناراضی کے اظہار کا کیا طریقہ اختیار کیا ہے، وہ تو ہر روز کوئی نہ کوئی بیان کسی نہ کسی مسئلہ پر دیتے رہتے ہیں، اس اہم ترین مسئلہ پر وہ کوئی بیان تو دیں، کوئی تو حرف ترے کنج لب سے ہو آغاز'' کیا ان کے نزدیک سرزمین حجاز کو امریکہ کے نقش قدم پر ڈالنے کی پالیسی لائق اعتناء نہیں کیا ان کے نزدیک رابطہ کی ممبر شپ اتنی قیمتی ہے کہ وہ اس اہم ترین مسئلہ پر حق گوئی کی جسارت نہیں کرسکتے، وہ تو شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی مرحوم کے صاحب زادہ ہیں جن کی شخصیت کا اصل جوہر ہی دینی غیرت اور حمیت ہے۔

سرزمین حجاز کا معاملہ جان ودل سے عزیز تر شئی کا معاملہ ہے، ہم تمام قائدین، تمام علماء کرام اور تمام اہل قلم سے اپیل کرتے ہیں کہ اس موضوع پر خاموشی اختیار نہ کریں، اپنے خیالات اور جذبات کا اظہار کھل کر کریں اور سفارت خانہ کو وزارت خارجہ کو اور خادم الحرمین کو اپنے احتجاج کی کاپی بھیجیں اور اسے ایک ضروری دینی کام سمجھ کر انجام دیں۔ ہم یہاں مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کی ایک تحریر کا اقتباس نقل کرتے ہیں:

''آج ملت کی قد آور شخصیتیں، مذہبی تنظیمیں، اور نمائندہ ادارے مصلحت کی دبیز چادر میں اپنا منہ چھپائے ہوئے ہیں کہیں ایسا تو نہیں کہ ہمیں اللہ کے دربار میں اس طرح حاضر ہونا پڑے کہ ہماری پیشانی پر رحمت خداوندی کی امید کا نور نہ ہو، بلکہ اپنی بے ضمیری کی وجہ سے اللہ کی رحمت سے ناامیدی کا داغ ہو''۔

......بقیہ صفحہ ۱۳ کا

ناشر نے علماء کے تعاون سے اس کی بھی تکمیل کردی۔

مصنف کتاب کی دیگر تصنیفات:

الفقہ علی المذاہب الاربعہ کے علاوہ مصنف کتاب نے کئی اور علمی اور فقہی کتابیں یادگار کے طور پر چھوڑی ہیں اور یہ کتابیں امتِ مسلمہ کے لیے نقش راہ اور مصنف کے لئے ذخیرۂ آخرت بنی ہوئی ہیں، ان میں سے قابل ذکر مندرجہ ذیل کتابیں ہیں:

(۱) توحید العقائد، (۲) الاخلاق الدینیہ والحکم الشرعیہ، (۳) أدلۃ الیقین فی الرد علی بعض المبشیرین، (۴) دیوان خطب۔ الحمدللہ یہ تمام کتابیں مطبوعہ اور مقبول عام ہیں۔

خلاصہ یہ کہ الفقہ علی المذاہب الاربعۃ اسلامی کتب خانہ کے لے شاندار اضافہ، عام اہل علم کے لئے بہترین سوغات اور باحثین وماہرین کے لیے قابل استفادہ ولائق بحث وتحقیق کتاب ہے۔ آسان اسلوب میں ائمہ اربعہ کی فقہ کو پیش کیا گیا ہے، احکام کی علتوں اور مسائل کی حکمتوں کو بھی سلیس زبان میں بیان کیا گیا ہے، جگہ جگہ مقاصد شریعت کو بھی پیش نظر رکھا گیا ہے۔ اللہ تعالی اس کتاب کو امتِ مسلمہ کے لیے نفع بخش اور مصنف اور ناشر کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین یارب العالمین۔

یاد رفتگاں

ایک ملنسار اور قلمکار
مولانا محمود حسن حسنی ندوی کا سانحہ ارتحال

مفتی رحمت اللہ ندوی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جمعہ کا دن تھا ، ماہ محرم الحرام کی 13 / تاریخ تھی، سن 1444 مطابق 12 / اگست 2022 تھا، دن کے ساڑھے نو بجے تھے، میں چند احباب کے ساتھ ندوہ کینٹین میں تھا، کہ اچانک سوشل میڈیا کے ذریعہ یہ دل خراش ، روح فرسا اور جانگسل خبر ملی کہ ابھی کچھ دیر پہلے مولانا محمود حسن حسنی ندوی، اللہ کو پیارے ہوگئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

مرحوم لکھنؤ کے ایک ہاسپٹل میں کئی ہفتوں سے زیر علاج تھے، آکسیجن کی کمی سے وینٹی لیٹر پر چلے جانےکی بھی تشویش ناک اطلاع ملی ، پھر کچھ دن کے بعد معلوم ہوا کہ الحمد للہ طبیعت میں سدھار ہے، اور وہ صحت یابی کی طرف بڑھ رہے ہیں، اس خبر سے خوشی اور امید کی لہر دوڑ گئی۔

ایک روز قبل مدرسہ ضیاء العلوم، میدان پور، رائے بریلی کے چند اساتذہ کرام کا ایک وفد عیادت کے لئے آیا تھا، ان سے ملاقات ہوئی، انھوں نے بھی حالت میں بہتری کی امید افزا خبر دی۔

لیکن یہ وقتی افاقہ اور عارضی بہتری مثل چراغ سحری ثابت ہوئی۔ اور شب گزرتے ہی یہ سانحہ پیش آ گیا۔

ان للہ ما اخذ ولہ ما أعطی، و کل شیء عندہ لاجل مسمی۔

پتہ چلا کہ ہاسپٹل سے جنازہ ندوہ آچکا ہے، ہم نے جا کر آخری دیدار کیا، سب رنج وغم زدہ تھے۔

مولانا محمود حسن واقعی اسم با مسمی یعنی قابلِ تعریف اور لائق ستائش تھے، اور "حسن" کی نسبت نے ان میں "حسن" یعنی خوبی پیدا کردی تھی۔

مجھے مولانا مرحوم سے تعارف اس وقت حاصل ہوا، جب وہ فراغت کے بعد مدرسہ ضیاء العلوم، میدان پور میں استاد ہوگئے تھے اور میں وہاں آخری درجات کا طالب علم تھا ، وہ میرے استاذ نہیں تھے، لیکن میرے درجہ کے ایک ساتھی برادرم محمد غزالی ندوی علیہ الرحمہ ان سے مربوط تھے، مرحوم بھی ان سے خصوصی تعلق رکھتے تھے ،ظہر بعد وہ خود "دار عرفات" کی لائبریری میں مطالعہ اور تالیف میں منہمک اور مصروف رہتے اور غزالی مرحوم کو بھی اپنے ساتھ مشغول رکھتے ، ان کی مکمل نگرانی، پوری رہنمائی اور سرپرستی کرتے ، اس شفقت اور خصوصی توجہ کی وجہ بعد میں معلوم ہوئی ، کہ محمد غزالی مرحوم کے ایک ماموں مولانا محمود حسن حسنی مرحوم کے درسی ساتھی ہیں ، اور دیگر افراد خاندان سے بھی تعلق ہے، جس کی وہ پاسداری کررہے ہیں ، اس سے اندازہ لگائیں کہ ان کو تعلق کی پاسداری اور رشتہ نبھانے کا کتنا خیال اور اہتمام تھا۔

اس میں کوئی شبہ یا دو رائے نہیں کہ غزالی مرحوم کی تحریری اور تقریری صلاحیت کو نکھارنے، ان کے مطالعہ میں وسعت پیدا

کرنے، اور صلاحیت کو پروان چڑھانے میں مولانا محمود حسن حسنی کا بڑا کردار ہے، اس کی قدر اور اعتراف محمد غزالی مرحوم کو بھی تھا۔

ہم جب بھی مرحوم حسنی سے ملتے تو اپنی علمی اور تالیفی سرگرمیوں کے بارے میں بتاتے، اور کتابوں کے مطالعہ کا نچوڑ بیان کرتے۔

ان کو پڑھنے لکھنے کا چسکا لگ گیا تھا، یا یوں کہہ لیں کہ لت پڑ گئی تھی، یا یہ کہئے کہ مطالعہ ان کی عادت ثانیہ بن گئی تھی، وہ اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے تھے، یا ان کی زندگی کا بغیر مطالعہ اور تحریر کے تصور نہیں تھا۔ لکھنا پڑھنا ہی ان کا اوڑھنا بچھونا تھا، وہ واقعی "پڑھے لکھے "یا" لکھے پڑھے" تھے، ان کا قلم بہت سیال تھا اور وہ بہت زود نویس تھے، جن موضوعات پر مواد کی کمی کے سبب عام قلم کاروں کے لیے چند صفحات لکھنا ناممکن ہوتا، وہ پوری کتاب تیار کر دیتے، ایسا خاکہ تیار کرتے کہ کتاب ضخیم ہو جاتی، اور ایسی ایسی جگہوں سے مواد ڈھونڈ نکالتے جہاں خیال بھی نہ جاتا۔

وہ قیلولہ سے ناآشنا تھے، اس وقت اگر ملنے والا ہوتا تو اس سے ملتے ورنہ مطالعہ اور تالیف میں مصروف رہتے، رات میں دیر تک یہی مصروفیت رہتی، لیکن اپنی کم خوابی اور علمی ہجوم، سفر کی کثرت، حضرت ناظم صاحب دامت برکاتہم کی علمی کاموں میں معاونت اور خدمت، مہمانوں اور ملنے جلنے والوں سے ملاقات اور گفتگو، کے باوجود نماز باجماعت، ذکر و اذکار، اور تلاوت کے معمولات اور اہتمام میں کوئی کوتاہی نہ ہوتی۔ حیرت ہوتی ہے کہ وہ ان تمام کاموں کو کیسے جمع اور پابندی سے ادا کر لیتے تھے۔ کئی سال قبل جب ان کی طبیعت بگڑی تھی اور پھر صحت یاب ہو گئے تھے، تو چونکہ مجھ سے بے تکلف اور کھلے ہوئے تھے، اس لئے میں نے کہا کہ آپ نیند پوری نہیں کرتے، نیند پوری کیا کریں اور ظہر بعد کچھ دیر قیلولہ بھی کریں، اس پر وہ اپنے مخصوص انداز میں ہنستے ہوئے کہتے کہ آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں، انشاء اللہ اس کا خیال رکھوں گا، لیکن عادت سے مجبور تھے، اس مشورے پر عمل کی نہ ان کے پاس فرصت تھی، اور نہ اس کی نوبت آئی۔

وہ بیماری کے ایام میں بھی جب تک لکھنے پڑھنے کی سکت رہی، خیر خواہوں اور تیمارداروں کے منع کرنے پر بھی باز نہ آتے، بس لحاظ میں تھوڑی دیر رک جاتے۔

ان کے سیال قلم اور زود نویسی کا جو حال تھا، اس کا اندازہ اس سے لگائیں کہ میرے رفیقِ درس برادرم مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی نے جب اپنا ماہنامہ ." نقوش اسلام" نکالنا شروع کیا تو مرحوم کو بھی مجلس ادارت میں شامل کیا، مرحوم پابندی سے رسالہ کے لئے مضمون لکھتے جو اہتمام سے شائع ہوتے، شاید ہی کوئی شمارہ ان کے مضمون سے خالی ہو۔

ایک بار برادرم عزیزی صاحب رائے بریلی ملاقات کے لئے حاضر ہوئے، مدرسہ ضیاء العلوم کی مسجد کے پاس ساتھ چلتے ہوئے اپنے ماہنامہ کے آئندہ شمارہ کے لئے مضمون کی فرمائش کر دی، پھر کیا تھا وہیں روڈ پر کھڑے کھڑے مضمون نویسی شروع کر دی، اور مختصر سے وقت میں تین چار صفحات کا مضمون تیار کر کے بروقت دے دیا، اور کہا کہ اتنا کافی ہے یا اور لکھ دوں؟ ایک نوجوان ندوی نے مجھ سے اپنا یہ واقعہ بیان کیا کہ ایک بار میں مولانا محمود حسن حسنی ندوی سے ملنے گیا، اس وقت وہ کسی کتاب پر مقدمہ لکھ رہے تھے، ایک صفحہ لکھ کر مجھے پڑھنے کے لئے دیا، ابھی میں پڑھ کر فارغ بھی نہ ہو سکا تھا کہ دوسرا صفحہ لکھ کر دیدیا، ان دونوں واقعات سے ان کی زود نویسی کا اندازہ بآسانی لگایا جا سکتا ہے۔

بہت تیز لکھتے تھے لیکن خوش خط تھے، ان کی تحریر ہر ایک

آسانی سے پڑھ لیتا، لکھتے جاتے، کاٹ پیٹ کی نوبت کم آتی، البتہ کمپوز کے بعد جتنی بار پروف دیکھتے تو کتابت کی تصحیح کے بعد جا بجا اضافے کرتے جاتے، جس سے بسا اوقات کمپوزر پریشان ہو جاتے۔ مولانا محمود حسن حسنی ندوی تاریخ اور سیرت وسوانح کے موضوع سے خصوصی دلچسپی رکھتے تھے، ان کی تمام تالیفات اسی موضوع پر ہیں، مستقل اشتغال اور مزاولت کی وجہ سے ان کو اس فن سے مناسبت اور اس میں مہارت حاصل ہو گئی تھی، اور تاریخ وسنین اور احوال و واقعات مستحضر ہو گئے تھے، جب کہ تاریخ ایک خشک موضوع ہے، اسی لیے اس میں مہارت اور دلچسپی خال خال لوگوں کو ہی حاصل ہوتی ہے۔

مرحوم بحر علم کے غواص اور شناور تھے، غواصی کے ذریعہ قیمتی لعل و گہر نکالتے اور نگینوں کی طرح اپنی کتابوں میں جڑ دیتے، جس سے تحریر دلکش، دلچسپ، اور معلومات سے پر ہو جاتی۔ علم وتحقیق اور فکر ونظر میں بسا اوقات وہ ایسا کھو جاتے کی کئی بار سلام کرنے کے بعد متوجہ ہوتے، اور کبھی دور سے سلام میں پہل کرتے، اور آگے بڑھ کر مسکراتے ہوئے مصافحہ کرتے، اور خیریت دریافت کرتے۔

ان کا تعلق اکابرین، معاصرین، اور اصاغرین سب سے تھا، ہر ایک سے اچھی طرح پیش آتے، اور سب سے تعلق نبھاتے، یہ ان کی ہمت اور بڑکپن کی بات تھی، ورنہ عام طور پر نئے تعلقات، پرانے تعلقات پر اثر انداز ہو جاتے، اور نئے جب یار ملتے ہیں، پرانے بھول جاتے ہیں۔

ان سے عیدالاضحیٰ کی تعطیل کے موقع پر ندوہ میں آخری ملاقات کلیۃ اللغۃ بلڈنگ کے پاس اس وقت ہوئی تھی، جب میں مغرب بعد چند مہمانوں کو ندوہ کی زیارت اور تعارف کراتے ہوئے کتب خانہ علامہ شبلی نعمانی سے آگے بڑھ رہا تھا، کہ اچانک ان کی گاڑی بہت آہستہ آہستہ میرے پاس سے گزری، اگرچہ گاڑی کچھ آگے بڑھ گئی تھی، لیکن جیسے ہی میری نظر ان پر پڑی، میں نے ملاقات اور خیریت معلوم کرنے کے لئے اشارہ سے گاڑی رکوائی، اور آگے بڑھ کر ان سے ملاقات کی، وہ میرا ہاتھ تھامے رہے اور اپنی خیریت بتاتے اور سناتے رہے، یہ بھی بتایا کہ کل تبدیلی آب و ہوا کیلئے چندی گڑھ جاؤں گا، اس کا بھی صحت پر خوشگوار اثر پڑتا ہے۔

کیا خبر تھی کہ یہی آخری ملاقات ثابت ہوگی، اور پھر وہ یہ کہتے ہوئے ہم سے رخصت ہو جائیں گے کہ ڈھونڈو گے ہمیں ملکوں ملکوں، ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم، مرحوم کے ساتھ ایک بار بیہاپور، رائے بریلی کے جلسہ میں شرکت کا موقع ملا، مولانا عبداللہ حسنی ندوی علیہ الرحمہ کا وہاں کے ایک مدرسہ کے سالانہ اجلاس میں خطاب تھا، واپسی میں ہم نریش ہوٹل پر رکے، مولانا محمود حسن حسنی اور ہم اتر کر اندر گئے، مولانا عبداللہ حسنی مرحوم اور ان کا ہم نام خادم گاڑی ہی میں بیٹھے رہے، چاٹ اور پانی کی بوتل لا کر گاڑی میں دیا، اور ہم دونوں نے اندر ہی کھالیا، مولانا عبداللہ حسنی ندوی مرحوم نے مجھے پانچ سو کا نوٹ دیا کہ جا کر سب کا بل ادا کر دو، میرے پہنچنے سے پہلے ہی مولانا محمود حسن حسنی ندوی بل کی ادائیگی کر چکے تھے، مجھ سے کہا جا کر روپے واپس کر دیجیے، میں نے کہا کہیں مولانا ناراض نہ ہوں، انھوں نے فرمایا کہ کہہ دیجئے کہ محمود نے ادا کر دیا۔

اس واقعہ سے ان کے جذبہ خدمت، انفاق وضیافت اور سخاوت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

2016 / میں جامعہ امامہ للبنات، سمریاواں میں سالانہ پروگرام اور اس موقع پر اس کے جواں مرگ بانی حافظ محمد امتیاز ندوی پر مرتب کتاب " محفل دوستاں" مرتبہ مولانا کفیل احمد ندوی

صاحب کا اجراء تھا، ناظم ندوہ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی کو شرکت کرنی تھی، لیکن طبیعت ساز گار نہ ہونے کی وجہ سے آپ نے اپنی نمائندگی کے لئے مولانا محمود حسن حسنی مرحوم کو بھیج دیا، موصوف نے کتاب پر حضرت کا تحریر کردہ مقدمہ پڑھ کر سنایا اور بزرگوں کے اقوال واحوال کی روشنی میں موقع ومحل کی مناسبت سے اچھی گفتگو کی، وہاں سے واپسی میں اودھ کلارک ہوٹل کے پاس اتر گئے، مولانا کفیل احمد ندوی صاحب نے بہت اصرار کیا کہ آپ کو خاتون منزل تک چھوڑ دیتے ہیں، لیکن وہ آمادہ نہ ہوئے، اور کہتے رہے کہ ہم چلے جائیں گے، شاید ان کے پیش نظر یہ رہا ہو کہ میرے علاوہ تمام احباب ندوہ جانے والے ہیں، کہیں ان کو دیر نہ ہو جائے:

خیال خاطر احباب چاہئے ہر دم
انیس ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

مرحوم اگرچہ علم وعمل، فضل وکمال، عمر، وسینیارٹی ہر اعتبار سے بڑے اور بڑھے تھے، میں ان کے پاسنگ برابر بھی نہیں، لیکن یہ انکا اخلاص، اخلاق، بڑکپن، اور تواضع وانکساری تھی کہ مجھ سے دوستانہ وبرادرانہ تعلق رکھتے تھے۔

جب ان کی کوئی نئی کتاب منظر عام پر آتی تو ملاقات پر میں مبارک باد دیتا، اور چھیڑنے کے لئے کتاب کے نسخہ کا مطالعہ کرتا، وہ مسکراتے اور جی جی کہتے۔

بہرحال! وہ بہت سی خوبیوں کے مالک تھے، اور ان میں کئی امتیازی اوصاف تھے، عمر اتنی ہی لے کر آئے تھے، لیکن اس کا خوب استعمال کیا، اسی وجہ سے بہت اہم کام اور خدمات انجام دے گئے، اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو قبول فرمائے۔

مرحوم کی پہلی نماز جنازہ ندوہ میں جمعہ کے بعد ایک جم غفیر نے حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی دامت برکاتہم مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کی اقتداء میں ادا کی، جس میں لکھنو اور اس کے اطراف سے مدارس کے اساتذہ وطلبہ اور اہل تعلق نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔

دوسری نماز تکیہ کلاں رائے بریلی میں عصر بعد حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم ناظم ندوہ العلماء لکھنؤ کی اقتداء میں ہوئی، اور وہیں خاندانی قبرستان میں سپرد خاک ہوئے۔

اللہ تعالیٰ ان کو غریق رحمت فرمائے اور ان کی خدمات و حسنات قبول فرما کر جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

......بقیہ صفحہ ۱۶ کا

نہ دیکھ پائیں گے۔ شاید جنتی اپنی اپنی سلطنتوں کو ہائی ٹیک سی سی ٹی وی کی مدد سے مانیٹر کرسکیں گے۔ کیونکہ جنت زمین کی طرح محدود نہ ہوگی بلکہ اسکی وسعت " آسمانوں اور زمین" جتنی ہوگی۔ بلکہ وہ وقت ٹیکنولوجی کا شہکار ہوگا اور اس وقت کی کائنات جنتیوں کی سیر گاہ ہوگی۔

اسلئے آجکل کے نوجوانوں سے میری گذارش ہے کہ انٹرنیٹ پر گیم کھیل کر اور دیگر فضول چیزوں پر اپنا وقت برباد کرنے کے بجائے جنت کی تیاری کریں جہاں کی انٹرنیٹ لامحدود اور کائنات کی وسعتوں کو چھوتی ہوگی۔ "دوڑو اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو اپنے رب کی مغفرت اور اس جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان وزمین جیسی ہے۔ جو مہیا کی گئی ہے ان لوگوں کے لیئے جو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے ہوں۔ یہ اللہ کا فضل ہے، جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ (سورۃ الحدید ۱۲)" وَاللّٰہ اَعلَم بِالصّواب۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع الاعلیم.

سوانح

میرے والد میرے مرشد میرے استاذ

حضرت مولانا قاری محمد ایوب رحؒ قاسمی

محمد طیب صاحب قاسمی خادم جامعہ حضرت فاطمہؓ عالم پور رائپور

خاندانی سلسلہ:

ہمارا خاندان جیسا کہ بڑوں سے سنا ہے، چند صدی قبل ہی اسلام میں داخل ہوا تھا، کسی وقت یہ خاندان جالندھر کے کسی مقام سے منتقل ہو کر موضع گلاب گڑھ متصل خضر آباد پنجاب حال ہریانہ منتقل ہو گیا تھا، اس غیر مسلم خاندان میں سے ایک شخص کو حق تعالیٰ نے ہدایت نصیب فرمائی کہ وہ مشرف باسلام ہو گئے، پھر وہ حلقہ اسلام ہو کر گلاب گڑھ سے منتقل ہو کر عالمپور متصل رائپور آ کر مقیم ہو گئے، ان کا نام عما دالدین رکھا گیا، اسی مناسبت سے ہماری اس بستی کا نام بھی عماد پور رکھا گیا تھا، اب یہ خاندان ایک بڑی تعداد پر مشتمل ہے، جس میں بحمدہ تعالیٰ بہت سے علماء وحفاظ اور صلحاء پیدا ہوئے، حق تعالیٰ مزید برکات سے نوازے۔ آباد اور شاد رکھے۔ آمین

والد صاحب کی پیدائش:

میرے والد محترم حضرت مولانا ایوب صاحب قاسمی نور اللہ مرقدہ ۲۰ر محرم الحرام ۱۳۶۶ھ مطابق ۱۵ دسمبر ۱۹۴۶ء گاؤں عماد پور میں پیدا ہوے، ہمارا خاندانی نسب مندرجہ ذیل ہے۔ محمد طیب بن محمد ایوب بن محمد تقی مرحوم بن دین محمد مرحوم بن جمعیت علی مرحوم۔ آگے کا نسب تاریخ کے اندھیروں میں گم ہو گیا۔ بندہ کے پردادا دین محمد مرحوم قطب عالم حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائپوری نور اللہ مرقدہ کے خاص مسترشدین میں شامل تھے، جن کو گاؤں کے لوگ مومن کہا کرتے تھے، حتی کہ میں نے اپنے بڑوں سے سنا کہ بعض غیر مسلم بھی ان کو مومن کہتے تھے، ان کی کرامات یوں تو بڑوں سے متعدد سننے میں آئی لیکن دو واقعے درج کر رہا ہوں، ایک تو یہ ہے جس کو والد محترم کی پھوپی نے سنایا تھا کہ جس رات میں حضرت رائے پوری کا پیلوں میں انتقال ہوا اس رات میں ہمارے والد گھاڑ کے علاقہ کے ایک گاؤں کوٹھڑی میں ٹھہرے ہوئے تھے کہ ان کو خواب میں بتلایا گیا کہ تمہارے حضرت کا انتقال ہو گیا ہے، پردادا مرحوم فوراً پیلوں کے لئے روانہ ہو گئے اور خواب جس وقت دیکھا تھا، وہ ہی انتقال کا وقت نکلا، دوسرے واقعہ کی روایت کرنے والی بھی والد مرحوم کی پھوپھی مرحومہ ہیں اور میرے پردادا ملا عظیم الدین مرحوم جو حضرت مولانا میر باز خان سہارنپوری نور اللہ مرقدہ کے مسترشدین میں سے تھے، انہوں نے بھی بیان کیا کہ پردادا دین محمد مرحوم کو ایک مرتبہ پیشاب کا بند پڑ گیا تھا، سہارنپور ہسپتال میں آپریشن کے لئے لے گئے لیکن ہسپتال والے آپریشن میں تاخیر کر رہے تھے کہ میاں صاحب یعنی حضرت شاہ عبدالرحیم سہارنپوری نور اللہ مرقدہ کی شکل وصورت کے کوئی بزرگ ہسپتال میں تشریف لائے اور ہسپتال والوں کو تنبیہ کی کہ ہمارے آدمی کا

آپریشن کیوں نہیں کرتے، یہ فرما کر چلے گئے، پھر ہسپتال کے ڈاکٹروں نے کوئی بہانہ اور تاخیر نہیں کی بلکہ جلدی سے آپریشن کر دیا، بہرحال پردادا مرحوم کے بزرگوں سے تعلق کے وسیلے سے حق تعالیٰ شانہ نے پردادا کی اولاد میں علم دین کی دولت عطاء فرمائی، مرحوم کے خاندان میں متعدد علماء وحفاظ پیدا ہوئے حق تعالیٰ تادیر اس نعمت عظیمہ کو جاری وساری رکھے، مزید ہمیشہ اس کی قدردانی کی توفیق ارزانی فرمائے، آمین۔

تعلیم کا آغاز:

میرے والد محترم کی عمر جب جب تقریباً سات سال کے آس پاس ہوئی تو گاؤں کے مدرسہ تعلیم القرآن میں تعلیم کے لئے داخل کرایا گیا، مسجد کے امام اور مدرسہ کے استاد حضرت حافظ امیر حسن رحمہ اللہ تعالیٰ تھے جنہوں نے تقریباً چالیس سال مسجد کی امامت اور خدمات کے فرائض انجام دیے، فرمایا کرتے تھے کہ میں نے جب اہلیان عماد پور کی تعمیل حکم میں عماد پور کی مسجد کی امامت کا ارادہ کیا تو رائپور قطب الارشاد حضرت شاہ عبدالقادر صاحب نوراللہ مرقدہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضرت کو بتلایا کہ عماد پور والے مسجد کی امامت کے لئے فرمائش کر رہے ہیں تو حضرت نے فرمایا کہ مسجد کی امامت وخدمت بھی کرنی ہے اور ساتھ ہی بچوں کو پڑھانا بھی ہے، چنانچہ حضرت حافظ صاحب نے جہاں مسجد کی امامت و خدمت کی تو اس کے ساتھ ساتھ بچوں کی تعلیم پر اتنی توجہ دی کہ گاؤں میں کوئی بچہ یا بچی نہ خواندہ نہ رہے اور آپ کے مدرسہ سے متعدد حفاظ فارغ ہوکر قرآن کریم کی خدمت میں مشغول ہوئے، انہیں میں سے کئی ایک تو عالم وفاضل ہوئے اور بحمدہ تعالیٰ دین کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں، حق تعالیٰ شانہ ان کو اپنی شایان شان جزائے خیر عطاء فرمائے آمین۔

میرے والد محترم کے استاد حضرت حافظ امیر حسن رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی زندگی بڑی خودداری اور محتاط ہوکر گزاری، آپ کی احتیاط کا حال یہ تھا کہ گاؤں میں کوئی امام کی دعوت کرتا کہ جس میں امام کو گھر پر بلانے کی خواہش ہوتی، تو عام طور پر اپنا کھانا مسجد ہی میں منگواتے اور کوشش یہی رہتی کہ دعوت وغیرہ کسی کے گھر جا کر نہ کھائی جائی، البتہ دعوت عامہ جیسے ولیمہ عقیقہ وغیرہ کی دعوت میں چلے جاتے تھے ۱۹۸۷ء میں بیمار ہوکر گھر پر تشریف فرما رہے، ۱۹۹۰ء میں راہی ملک بقا ہوگئے، رحمہ اللہ رحمۃً واسعہ ،

حفظ قرآن کریم کی تکمیل:

۱۹۵۹ء کے آس پاس والد صاحب نے قرآن کریم حفظ مکمل کیا اور اسی سال شوال المکرّم ۱۳۷۹ھ میں آپ کے استاد آپ کو جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ میں داخل کرانے کے لئے لے کر گئے، اشرف العلوم میں والد صاحب نے چار سالہ قیام کے زمانہ میں سال اول فارسی سے لیکر شرح جامی بحث فعل سال سوم تک کتابیں پڑھی اور قرآن کریم کا اجرا کیا۔

جامعہ اشرف العلوم گنگوہ کے اساتذہ:

آپ کے اشرف العلوم کے اساتذہ مندرجہ ذیل رہے، (۱) حضرت مولانا قاری شریف گنگوہیؒ بانی ومہتمم جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ، جنہوں نے قرآن کریم کا اجراء مع حفص کرایا، حضرت قاری صاحب کا ذوق تھا کہ ہر سال کچھ طلبہ کو قرآن کریم کا اجراء کرایا کرتے تھے، (۲) حضرت مولانا شبیر احمد فتحپوری رحمہ اللہ تعالیٰ جن سے حمد باری سے لیکر کریما سعدی تک فارسی کی کتب اور سال سوم میں نورالایضاح ومختصر القدوری وغیرہ کتب پڑھیں، (۳) حضرت مولانا نسیم احمد غازی مظاہری رحمہ اللہ تعالیٰ جن سے پند نامہ سے لیکر شرح جامی بحث فعل تک کی کتابیں پڑھیں (۴) حضرت الحاج حافظ شبیر احمد عالمپوری رحمہ اللہ تعالیٰ جن کے پاس پورے قرآن کریم کا دور کیا حق تعالیٰ شانہ ان سب اساتذۂ کرام کو

اپنی شایان شان جزائے خیر عطا فرمائے آمین۔

جامعہ مظاہر العلوم سہارنپور میں:

مزید علم کے حصول کے لئے آپ جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ کے بعد جامعہ مظاہر علوم سہارنپور میں داخل ہوئے، یہاں تقریباً دو سال تک قیام رہا، مظاہر علوم میں آپ کے اساتذہ میں مندرجہ ذیل رہے ہیں (۱) حضرت علامہ صدیق احمد کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ جن سے شرح جامی بحث اسم پڑھی (۲) حضرت مولانا شیخ محمد یونس جونپوری رحمہ اللہ تعالیٰ جن سے قطبی و میر قطبی پڑھی جو بعد میں جامعہ کے شیخ الحدیث مقرر ہوئے (۳) حضرت مولانا عبدالحفیظ پیشاوری رحمہ اللہ تعالیٰ جن سے کنز الدقائق تعلیم المتعلم اصول الشاشی تلخیص المفتاح وغیرہ کتب پڑھی (۴) حضرت قاری سید محمد ابراھیم سہارنپوری رحمہ اللہ تعالیٰ جن کے پاس پارہ عم کی مشق کی اور جمال القرآن پڑھی (۵) حضرت مولانا سید محمد عاقل سہارنپوری مدظلہ العالی جن سے مختصر المعانی سلم العلوم نور الانوار وغیرہ کتب پڑھی جو بعد میں جامعہ کے صدر مدرس ہوئے اور اب شیخ الحدیث بھی ہیں (۶) حضرت مولانا قاری سید محمد سلیمان دیوبندی رحمہ اللہ تعالیٰ جن کے پاس پارہ ۲۹ کی مشق کی اور فوائد مکیہ و جزری وغیرہ کتب پڑھی (۷) حضرت مولانا سید وقار علی بجنوری رحمہ اللہ تعالیٰ جن سے شرح وقایہ پڑھی (۸) حضرت مولانا حشمت علی رحمہ اللہ تعالیٰ سابق مہتمم جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاجپورہ جو اس زمانہ میں مظاہر علوم میں ناظم تعمیرات تھے جن سے ترجمۃ القرآن نصف اول پڑھا (۹) شیخ المشائخ حضرت مولانا زکریا کاندھلوی نور اللہ مرقدہ جن سے موقوف علیہ کے سال دار العلوم دیوبند سے آکر مسلسلات پڑھی اور سند بھی لی، اس زمانہ میں حضرت ہی جامعہ کے شیخ الحدیث تھے۔

جامعہ مظاہر العلوم کے یادگار لمحات:

والد محترم کو جامعہ مظاہر علوم میں تعلیم کے زمانہ میں ایک مبارک موقعہ یہ میسر ہوا تھا کہ ایک مرتبہ جامعہ کے ناظم اعلیٰ اور حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ کے اجل خلیفہ حضرت مولانا شاہ اسعد اللہ صاحب رامپوری نور اللہ مرقدہ نے آپ کے استاذ محترم حضرت مولانا سید وقار علی رحمہ اللہ تعالیٰ کو فرمایا کہ کوئی اپنا معتمد بھیجو۔ مولانا وقار صاحب کمرہ پر تشریف لائے اور حضرت ناظم صاحب کا پیغام دیا، احقر حضرت کے کمرہ میں داخل ہوا تو حضرت نے اولاً تو فرمایا کہ میں تم کو خوشی کی بات سناؤں میں نے تمہارے استاد کو کہا تھا کہ اپنا کوئی معتمد شاگرد بھیجو انہوں نے تم کو بھیجا ہے، اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ تمہارے استاد کو تم پر اعتماد ہے پھر حضرت نے کوئی کام بتلایا بس اسکے بعد سے تو احقر حضرت کا کھانا حضرت کے گھر سے لاتا اور اپنا کھانا مطبخ مدرسہ سے لاتا اور ایک خادم جو حضرت کے پاس زیادہ آمدورفت رکھتا تھا وہ بھی مطبخ سے اپنا کھانا لاتا اور ہم لوگ حضرت کے دستر خوان پر شریک طعام ہوتے۔ تقریباً ایک سال یہ سلسلہ چلتا رہا سالانہ امتحان پر گھر آیا اور آئندہ شوال المکرم میں دار العلوم میں داخلہ کرالیا کہ پھر یہ سلسلہ ختم ہوگیا اور پھر حضرت کی خدمت میں حاضری بھی کئیں سال تک نہ ہوسکی، اس زمانہ میں حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کی شفقتیں وعنایات رہیں، ایک موقعہ پر فرمایا بیٹا ہمیں تم سے امید ہے اسی طرح ایک مرتبہ فرمایا بیٹا تم ہمارے پاس احتیاط سے آیا کرو کہیں محسود نہ ہو جاؤ بہر حال مظاہر علوم کے بعد آپ نے دار العلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔

دار العلوم دیوبند میں داخلہ:

والد محترم جامعہ مظاہر العلوم میں دو سال گزارنے کے بعد پھر دار العلوم دیوبند میں جلالین شریف سے دورۂ حدیث شریف

تک تعلیم حاصل کی دارالعلوم کے اساتذۂ کرام مندرجہ ذیل رہے ہیں (۱) حضرت مولانا قمرالدین گورکھپوری مدظلہ العالی جن سے ھدایا جلد اوّل پڑھی جواب دارالعلوم کے شیخ الحدیث ہیں (۲) استاذ حدیث حضرت مولانا نعیم احمد دیو بندی رحمہ اللہ تعالیٰ جن سے ہدایہ جلد ثانی اور مشکوٰۃ شریف جلد ثانی مکمل اور مشکوٰۃ جلد اوّل کا اکثر حصہ اور شرح نخبۃ الفکر اور مئوطا امام محمد وغیرہ کتب پڑھی۔آپ کے استاذ بعد میں دارالعلوم وقف کے شیخ الحدیث بھی رہے (۳) استاذ حدیث حضرت مولانا محمد اسلام الحق اعظمی رحمہ اللہ تعالیٰ جن سے ملاحسن اور طحاوی شریف پڑھی (۴) استاذ حدیث حضرت مولانا شریف الحسن دیو بندی رحمہ اللہ تعالیٰ جن سے میبذی بیضاوی شریف پڑھی، صحیح مسلم مع مقدمہ مسلم شریف اور ابن ماجہ وغیرہ کتب پڑھی جو بعد میں دارالعلوم کے شیخ الحدیث بھی ہوئے (۵) حضرت مولانا سید انظر شاہ کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ، جن سے جلالین شریف اور فوز الکبیر پڑھی جو بعد میں دارالعلوم وقف کے صدر المدرسین اور شیخ الحدیث رہے (۶) حضرت مولانا قاری احمد میاں امروہی رحمہ اللہ تعالیٰ جن کے پاس پارہ عم کی مشق کی اور فوائد مکیہ پڑھی (۷) حضرت مولانا اختر حسین دیو بندی رحمہ اللہ تعالیٰ سابق ناظم تعلیمات دارالعلوم جن سے ہدایہ آخیرین پڑھی (۸) حضرت مولانا خورشید احمد دیو بندی رحمہ اللہ تعالیٰ جن سے شرح عقائد نسفی پڑھی جو بعد میں دارالعلوم وقف دیوبند کے ناظم تعلیمات اور شیخ الحدیث رہے (۹) حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب نور اللہ مرقدہ سابق مہتمم دارالعلوم جن سے مشکوٰۃ کا شروع کا کچھ حصہ پڑھا (۱۰) استاذ حدیث حضرت مولانا عبدالاحد دیو بندی رحمہ اللہ تعالیٰ جن سے ابو داؤد شریف پڑھی (۱۱) استاذ حدیث حضرت مولانا سید فخر الحسن مرادآبادی رحمہ اللہ تعالیٰ جن سے ترمذی شریف مع شمائل ترمذی پڑھی جو بعد میں دارالعلوم کے صدر المدرسین بھی ہوئے (۱۲) استاذ حدیث حضرت مولانا نصیر احمد بلند شہری رحمہ اللہ تعالیٰ جن سے مئوطا امام مالکؒ پڑھی جو بعد میں دارالعلوم کے صدر المدرسین و شیخ الحدیث ہوئے (۱۳) فخر المحدثین حضرت مولانا فخر الدین احمد آبادی نور اللہ مرقدہ صدر المدرسین و شیخ الحدیث دارالعلوم جن سے بخاری شریف جلد اول پڑھی (۱۴) استاذ حدیث حضرت علامہ محمد حسین بہاری رحمہ اللہ تعالیٰ جن سے نسائی شریف پڑھی (۱۵) مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمود الحسن گنگوہی رحمہ اللہ تعالی صدر مفتی دارالعلوم جن سے بخاری شریف جلد ثانی پڑھی۔

درس و تدریس سے باضابطہ وابستگی:

آپ کو دارالعلوم دیو بند سے ۱۳۸۹ھ مطابق ۱۹۶۹ء میں دورۂ حدیث شریف سے فارغ ہونے کے بعد مجاہد آزادی حضرت مولانا زاہد حسن ابراہمیؒ خلیفہ ومجاز قطب الارشاد حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری نوراللہ مرقدہ کے حکم پر ۲۷ شعبان المعظم ۱۳۸۹ھ مطابق ۱۲۶۹ء میں مدرسہ طیبہ قاسم العلوم موضع بھورہ ضلع مظفر نگر حال ضلع شاملی میں تعلیمی خدمت کے لئے بھیجا جہاں والد صاحب کا تقرر صدر مدرس کے عہدہ کے لئے طے کیا گیا۔اس وقت وہاں آپ کے متعلق درجہ حفظ کی تدریس متعلق کی، مدرسے میں اس وقت تعلیم کا نظم یہیں تک تھا، تقریباً دوسال آپ نے مدرسہ کی خدمت بہ حسن خوبی انجام دی، یہاں سے آنے کے بعد والد صاحب کی تمنا اور کوشش یہ رہی کہ سہارنپور شہر میں کوئی مشغلہ ہو جائے اور قیام کی کوئی شکل پیدا ہو جائے تاکہ اپنے مشفق و مربی استاد حضرت شاہ محمد اسعد اللہ نوراللہ مرقدہ کی زیارت اور صحبت کا شرف حاصل ہوتا رہے چنانچہ شوال المکرّم ۱۳۱۹ھ کے اواخر میں والد مرحوم کو مدرسہ

دارالعلوم محلّہ شاہ بہلول سہارنپور میں پڑھانے کی جگہ مل گئی۔اور ناظم مدرسہ حضرت مولانا محمد اسلام الحق مدظلہ العالی نے تجوید وقرآت کے اسباق متعین کئے، اس وقت یہاں تعلیم سال سوم تک ہی تھی۔عربی درجات میں کتابیں اور اسباق تقسیم ہو چکے تھے، والد صاحب غالباً محرم الحرام ۱۳۹۲ھ میں استاذ گرامی قدر حضرت مولانا محمد یونس جونپوریؒ اس وقت مظاہر علوم میں شیخ الحدیث منتخب ہو چکے تھے انکی خدمت میں ملاقات کے لئے حاضر ہوئے۔حضرت نے معلوم کیا کہاں ہو اور کیا خدمت کررہے ہو والد صاحب نے بتلایا کہ دارالعلوم شاہ بہلول میں مدرس ہوگیا ہوں، پوچھا کیا پڑھا تا ہے، والد صاحب نے بتلایا کہ تجوید کے اسباق دئے گئے ہیں برجستہ فرمایا کہ کتابیں کیوں نہیں پڑھاتا والد صاحب نے عرض کیا کہ کتابیں تقسیم ہو چکی تھی، فرمایا مولوی اسلام الحق سے کہنا کہ وہ تم کو کتابیں دیں، والد صاحب کو ناظم مدرسہ کی خدمت میں درخواست کی ضرورت پیش ہی نہیں آئی بقول والد محترم مدرسہ بھی ترقی کرتا رہا اور بندہ بھی ترقی کرتا رہا، حتیٰ کہ والد صاحب کے وہاں قیام کے زمانہ میں مدرسہ ترقی کرتے کرتے موقوف علیہ مشکوٰۃ شریف کی جماعت تک پہنچ گیا خود والد صاحب نے تفسیر بیضاوی اور درس نظامی کی دیگر اہم کتب پڑھائی والد صاحب کہتے تھے کہ یہ سب حضرت الاستاذ کی دعاؤں وتوجہات کا ثمرہ ہے، کہ بندہ کو اتنی کتابیں پڑھانے کو ملی کہ بندہ سیر ہوگیا، اب جب کہ بندہ کی مرضی کے مطابق قیام کا معقول نظم ہو گیا تو والد صاحب نے حضرت شاہ اسعد اللہ نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں حاضری شروع کردی اور تعارف دارالعلوم شاہ بہلول کے مدرس کی حیثیت سے کرایا، کچھ دن کے بعد والد صاحب معمول کے مطابق حاضر خدمت ہوئے کہ حضرتؒ کے صاحب زادہ گرامی قدر حضرت مولانا محمد اللہ سابق ناظم جامعہ مظاہر علوم تشریف لے آئے، والد صاحب نے کھڑے ہوکر سلام ومصافحہ کیا حضرت نے ان سے معلوم کیا کہ ان کو جانتے ہو انہوں نے عرض کیا کہ آپ نہیں جانتے حضرت نے جواباً فرمایا ہاں جانتا ہوں دارالعلوم شاہ بہلول کے استاد ہیں، مولانا مرحوم نے کہا چھوڑئے شاہ بہلول کو یہ تو وہ ہیں جن کو آپ فیلڈ مارشل کہتے تھے، بات یہ تھی کہ والد صاحب جب مظاہر علوم میں زیر تعلیم تھے، ۱۹۶۵ء میں پاکستان میں جنرل ایوب خان مرحوم صدر تھے اس مناسبت سے حضرت والد صاحب کو از راہ شفقت ومحبت فیلڈ مارشل کہد یا کرتے تھے، مولانا مرحوم تو چلے گئے، اس پر حضرت ناظم صاحب نے ایک واقعہ سنایا کہ پہلے یہ دستور تھا کہ جس مجرم کے لئے پھانسی کا فیصلہ ہو جاتا تھا تو اس سے اسکی آخری تمنا معلوم کی جاتی تھی اور وہ پوری بھی کی جاتی تھی اسی طرح ایک شخص کا واقعہ ہے کہ جب اس کے لئے پھانسی کا فیصلہ ہوا تو دستور کے مطابق اس سے آخری تمنا معلوم کی گئی، اس نے کہا بادشاہ سلامت کی مصاحبت ورفاقت چاہتا ہوں، بادشاہ نے کہا جب ہم سیر وتفریح کے لئے جائیں گے ہمارے ساتھ چلنا چنانچہ وہ شخص بادشاہ کے ساتھ کچھ دور چلا اور یہ جملہ کہا کہ کریم لوگ ادنیٰ مصاحبت ورفاقت کا بھی لحاظ فرماتے ہیں، اس پر بادشاہ نے اس کو رہا کر دیا یہ واقعہ سنا کر حضرت خاموش ہوگئے۔

والد صاحب کی حضرت کے انتقال تک جو رجب المرجب ۱۳۹۹ھ میں ہوا تھا، حاضری ہوتی رہی۔والد صاحب فرماتے کہ مجھے یہ امید نہیں رہی تھی کہ حضرت سے دوبارہ تعلق ہو سکے گا، اس سات آٹھ سالہ دور میں اگر مظاہر علوم آنا بھی ہوتا تو بھی حضرت کے کمرہ میں داخل ہونے کی ہمت نہیں ہوتی تھی، البتہ صاحب زادگرامی جناب مولانا محمد اللہ مرحوم سے ملاقات کر لیتا تھا۔یہ

قول والد صاحب حضرتؒ کے یہاں دوسری مرتبہ کی یہ حاضری ۱۳۹۳ھ میں ہوسکی۔ تاہم اسی درمیان ۱۳۹۰ھ میں بیعت بھی شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ کاندھلوی نوراللہ مرقدہ سے ہوگیا تھا، بہرحال اس کے بعد تو حضرت ناظم صاحب کے یہاں روزانہ حاضری ہوتی رہی، اگر عصر بعد نہ ہوسکی تو بعد نماز عشاء مسجد کلثومیہ میں ہی حاضر ہوجاتا اور شرف ملاقات حاصل کر لیتا تھا اس زمانے میں باوجود اس کے کہ حضرتؒ سے بیعت نہیں ہو سکا تھا تاہم حضرتؒ نے ذکر کی تلقین فرمائی اور دوازدہ تسبیح کے ذکر کا طریقہ بتلایا، بہرحال والد محترم کا یہ زیارت و ملاقات کا نیاز مندانہ سلسلہ چلتا رہا حتیٰ کہ انتقال سے ایک دو سال قبل حضرتؒ کو اختلاج قلب کی شکایت پیدا ہوگئی۔ ڈاکٹروں نے گفتگو کرنے اور ملاقات سے منع کر دیا تھا، اس زمانے میں مولانا محمد اللہ مرحوم خاص طور پر حضرت کے ساتھ رہتے تھے اور وہ کسی کو ملاقات و گفتگو نہیں کرنے دیتے تھے، کسی خاص تعلق والے کو البتہ زیارت کرادیا کرتے تھے، والد صاحب کو بھی یہ سعادت حاصل ہوتی رہتی تھی، حضرتؒ یوں تو بہت خوبیوں کے مالک تھے لیکن دو شعر جو ان کے کمرہ میں آویزاں تھے وہ ان کی زندگی کا حاصل تھے، گویا ان اشعار سے ان کے دل کی ترجمانی ہوتی تھی۔

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد
کسے با کسے کارے نباشد
رشک کرتا ہے فلک ایسی زمیں پر اسعد
جس پہ دو چار گھڑی ذکر خدا ہوتا ہے۔

والد محترم کے مشفق اور کرم فرما استاد حضرت مولانا شاہ اسعد اللہ صاحب قدس سرہ رجب المرجب ۱۳۹۹ھ کو داغ مفارقت دے گئے، رحمہ اللہ تعالیٰ، نماز جنازہ حضرت کے خلیفہ ومجاز حضرت مولانا مفتی مظفر حسینؒ نے پڑھائی اور حاجی شاہ کمال قبرستان میں تدفین عمل میں آئی، حضرتؒ کے رفیق خاص شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریاؒ اس زمانہ میں مدینہ منورہ زادہ اللہ شرفاً میں قیام پزیر تھے۔ آپ کے جنازہ میں عوام وخواص کا ایک ہجوم تھا حتی کہ دیوبند، جلال آباد اور دیگر دور دراز سے اکابر اور مشائخ کثیر تعداد میں شریک ہوئے۔ حضرت مولانا مسیح اللہ خان نوراللہ مرقدہ وغیرہ حضرات بھی شریک جنازہ تھے۔

والد صاحب نے رجب المرجب ۱۴۰۰ھ تک دارالعلوم شاہ میں تدریس کی خدمت انجام دی، اوائل شعبان المعظم ۱۴۰۰ھ میں حضرت مولانا مفتی عبدالعزیز رائپوریؒ (سابق ناظم ومفتی جامعہ مظاہر علوم سہارن پور و سابق مہتمم مدرسہ فیض ہدایت رحیمی رائے پور) نے حضرت والد صاحب کو بلوایا، اولاً مدرسہ قادریہ مسروالا ہماچل پردیش میں خدمت کے لئے فرمایا، والد صاحب نے وہاں کے لئے معذرت کردی پھر مدرسہ قصر العلوم قصبہ بہٹ کی خدمت کے لئے فرمایا، حضرت مفتی صاحبؒ مدرسہ کے سرپرست تھے، والد صاحب نے مدرسہ قصر العلوم بہٹ کی خدمت منظور کر لی، حضرت مفتی صاحب نے چند ارکین کے سامنے والد محترم کا عہدہ نظامت پر تقرر فرمایا تقریباً سوا دو سال مدرسہ ہٰذا کی خدمت کی اور سال چہارم عربی تک کی جماعتوں کا نظم کیا، خود بھی والد صاحب نے اکثر اسباق پڑھائے، شوال المکرم ۱۴۰۲ھ مطابق ۱۹۸۲ء میں حضرت مفتی عبدالعزیز صاحب نے مدرسہ فیض ہدایت رحیمی میں تدریس کے لئے فرمایا یوں تو حضرت مفتی صاحب ۱۹۷۱ء سے والد صاحب کو رائپور کے لئے فرماتے آرہے تھے۔ تاہم والد صاحب کی طرف سے معذرت ہوتی رہی، لیکن اس مرتبہ حضرت مفتی صاحب مرحوم کے حکم پر مدرسہ فیض ہدایت رحیمی میں والد صاحب کا تقرر ہوگیا، ذی قعدہ ۱۴۴۳ھ میں والد صاحب کو

فیض ہدایت میں تعلیمی خدمات انجام دیتے ہوئے ۴۱ سال ہو گئے تھے۔اس ۴۱ سالہ دور میں مدرسہ میں سال اوّل فارسی سے لیکر سال ششم مشکوۃ شریف تک تو ہر جماعت میں ایک دو کتاب کے علاوہ سب ہی کتابیں پڑھانے کا موقع ملا، بلکہ ۱۴۳۶ھ میں دورۂ شریف کا آغاز ہوا تو والد صاحب کو اس جماعت میں بھی متعدد بار مسلم شریف مع مقدمہ مسلم اور بخاری شریف جلد ثانی پڑھانے کی سعادت حاصل ہوئی، رجب المرجب ۱۴۳۶ھ میں مدرسہ کی مجلس شوریٰ نے جب دورہ حدیث شریف کی تجویز پاس کی تو اسی مجلس میں والد صاحب کو یہ اعزاز دیا اور حوصلہ افزائی کی، اس طرح آپ کو صدرالمدرسین ونگراں تعلیمات کے منصب پر فائز فرمایا۔

آپ کے مشاغل ،آپ کا طریقہ تدریس:

ہم نے ہمیشہ اپنے والدمحترم کو دیکھا ہے کہ آپکی کی زیادہ تر دلچسپی تعلیم وتعلم سے رہی ہے اور اسی میں اور آپ کا ہمیشہ انہاک رہا ہے۔تقریباً پانچ دہائیوں تک بلکہ زندگی کے آخری ایام تک یکسوئی کے ساتھ اسی مشن میں لگے رہے۔ایک کامیاب مدرس کی جو صفات اور خصوصیات ہوتی ہیں،ان سے والد صاحب کا دامن مرادبھرا ہوا تھا۔آپ کے تدریسی کمال میں یہ عنصر بنیاد کے پتھر کی اہمیت رکھتا ہے کہ آپ کے یہاں بلا کی تفہیم اور ترسیل پائی جاتی تھی،زبان کی نرمی اور لہجے کی شیرینی اس پر بلا کا حافظہ آپ کی تدریس کا عنوان اور اعلان تھا۔

غیر ضروری مشاغل سے حددرجہ دوری:

آپ کی زندگی کا یہ عنوان بھی قابل تعریف رہا ہے کہ کبھی غیرضروری مشاغل سے آپ نے دلچسپی نہیں لی بلکہ ہمیں بھی اس کی سختی سے تاکید کرتے تھے کہ ہم کسی بے مقصد کام کا حصہ بنے۔ حتی کہ میں گھر میں سب سے بڑا تھا لیکن میرے لیے بھی یہی تاکید تھی کہ میں کسی غیرضروری مشغلہ کا حصہ بنوں، والد صاحب کی پوری زندگی مقصد سے وابستہ تھی اور اسی با مقصد اور بامراد زندگی کے ساتھ انہوں نے ہمیشہ اپنے آپ کو اور ہم سب اہل خانہ کو پابند رکھا۔

گھر کا ماحول اور تربیت کا انداز:

والد صاحب نے گھر کے ماحول کو ہمیشہ دین پر قائم رکھنے کی ہر ممکن کوششیں جاری وساری رکھی، زندگی کے آخری ایام تک وہ تربیت کے اس اہم پہلو سے غافل نہیں ہوئے، والد صاحب کی تربیت کا یہ دائرہ محدود نہیں تھا بلکہ اس حوالے سے ان کی نظر زندگی کے تمام پہلوؤں پر تھی، ذاتی معاملات ہوں یا سماجی، گھر کے معاملات ہوں یا مدرسے کی ذمہ داری کے تعلق سے ہر جگہ ان کی رہنمائی اور تربیت ہمارے ساتھ رہی، مدرسے کے معاملات کے حوالے سے والد صاحب بہت حساس تھے اور ہمیشہ تاکید کرتے تھے کہ معاملات کو صاف ستھرا رکھا جائے، عام طور میرا معمول ان کی صحبت کا عشا کی نماز کے بعد ہوتا تھا، اگر اتفاق سے کبھی دیر ہوگئی تو وجہ پوچھتے تھے اور اگر ان کو یہ لگتا تھا کہ میں اس غیر ضروری مشغلے میں شامل تھا مثلا کوئی سیاسی اور اسی طرح کوئی غیر مقصد کام تو فوراً تاکید کے ساتھ منع فرماتے۔

مسلمانوں کے مسائل سے دلچسپی:

میں نے جیسا کہ والد صاحب کے حوالے سے اوپر لکھا ہے کہ وہ یکسو ہوکر درس وتدریس سے وابستہ رہنا پسند کرتے تھے۔طبیعت حددرجہ یکسو اور تنہائی پسند تھی، تاہم جب بات ملت کے مسائل کی ہوتی تو پھر وہ اس کے لئے بھی ہمیشہ تیار رہتے تھے، ۱۴۰۹ھ مطابق ۱۹۸۹ء میں جب دارالعلوم دیوبند میں تحفظ ختم نبوت کے لئے کیمپ لگایا گیا اور ہندوستان کے مشہور اور بڑے مدارس سے شرکت کے لئے علماء اور مشائخ مدعو کئے گئے تو

مدرسہ فیض ہدایت رحیمی کی نمائندگی کے لئے مہتمم مدرسہ حضرت مفتی عبدالعزیزؒ نے والد صاحب کو شرکت کے لئے معمور فرمایا، چنانچہ ۱۰ دن یہ کیمپ چلا، جس میں فاتح ربوہ حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹیؒ کو پاکستان سے فتنۂ قادیانیت کو واشگاف کرنے اور قادیانیوں پر کامیابی اور فتح حاصل کرنے کے طریقے سمجھانے کے لئے مدعو کیا گیا، چنانچہ حضرت مولانا نے کئی روز تک اس سلسلہ میں تقاریر فرمائی، وقتاً فوقتاً اکابر اور اساتذہ دارالعلوم دیوبند کے بیانات بھی ہوتے رہے اور دارالعلوم کی جانب سے حضرت مولانا منظور احمد صاحبؒ کے بیانات کو کتابی شکل میں طبع کرا کر مندوبین اور شرکاء میں تقسیم کر دیا گیا۔

۱۴۱۵ھ میں دارالعلوم دیوبند میں ملک بھر کے مدارس اسلامیہ کے ذمہ داروں کا ایک نمائندہ اجلاس بلایا گیا تھا جس میں کل ہند رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ کے قیام کا فیصلہ کیا پھر صفر ۱۴۳۶ھ میں رابطہ مدارس اسلامیہ کی شاخ مغربی یوپی کو دو زون میں تقسیم کیا اور جناب مولانا قاری شوکت علی صاحب مہتمم مدرسہ اعزاز العلوم ویٹ کو زون نمبر ۱ کا صدر منتخب کیا، چنانچہ صدر نے ۶ر صفر ۱۴۳۷ھ مطابق ۱۹ر نومبر ۲۰۱۵ء کو مغربی یوپی زون کے مربوط مدارس کا ایک عمومی اجلاس منعقد کیا، اس اجلاس کی دوسری نشست میں ۱۲۵ افراد پر مشتمل مجلس عاملہ کی تشکیل عمل میں آئی جس میں صدر صاحب کے علاوہ تین نائبین صدور مولانا محمد عباس مہتمم جامعہ محمودیہ نوگزہ پیر میرٹھ، مولانا محمد خالد مہتمم جامعہ محمود المدارس غازی آباد مولانا عاشق الٰہی مرحوم صدر مدرس جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاجپورہ سہارنپور طے کئے گئے اور ناظم اعلی مولانا محمد یامین مہتمم مدرسہ مدینت العلوم سونتہ رسول پور ضلع شاملی کو بنایا گیا، اور والد صاحب مرحوم اور مولانا خورشید احمد قاسمی مہتمم دارالعلوم مظفریہ میرٹھ کو ناظم بنایا گیا اور مفتی بن یامین مہتمم مدرسہ قاسم العلوم تیوڑہ مظفر نگر کو خازن منتخب کیا گیا، ،چنانچہ اس کے بعد سے والد صاحب کی رابطہ کے پروگراموں میں شرکت ہوتی رہتی اور غیر مربوط مدارس کو تصدیق کا سلسلہ بھی جاری رہا، کئی ایک پروگراموں میں والد صاحب کو صدر، اور ناظم کی حیثیت سے پروگرام کی دعاء اور صدارتی خطاب بھی کرایا گیا۔

دارالعلوم دیوبند میں بحیثیت ممتحن:

۱۴۱۷ھ جس زمانے میں حضرت مولانا سید ارشد مدنی دامت و برکاتہم دارالعلوم کے ناظم تعلیمات تھے، انہوں نے داخلہ امتحان کے پرچے جانچنے کے لئے کچھ دیگر مدارس سے بھی علماء کو مدعو کیا تھا، فیض ہدایت رحیمی کی جانب سے والد صاحب کو مدعو فرمایا گیا، چنانچہ والد صاحب نے دارالعلوم کے اساتذہ کرام اور باہر سے آنے والے ممتحن حضرات کے ساتھ مل کر دس یوم داخلہ امتحان کے پرچے جانچے، حق تعالیٰ شانہ حضرت مولانا مدنی مدظلہ العالی کو تا دیر زیادہ سے زیادہ دارالعلوم کی خدمت کے لئے قبول فرمائے آمین۔

بیعت و ارشاد:

والد صاحب کے بیعت وارشاد کے سلسلہ میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ ۱۳۹۰ھ میں والد صاحب نے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ سے پہلی مرتبہ بیعت کی۔ تاہم بہ قول حضرت شیخ سے کوئی خواص استفادہ والد صاحب کے بقول خاطر خواہ نہ کر سکا۔ اس کی وجہ یہ رہی کہ عموماً حضرت کا قیام اس زمانے میں حجاز رہنے لگا تھا ،البتہ عموماً رمضان المبارک آپ کا سہارنپور ہندوستان میں گزرتا تھا حتیٰ کہ وہ بھی ۱۴۰۲ھ میں مدینہ منورہ زادہ اللہ شرفاً میں راہی ملک بقاء ہو گئے، برّد اللہ مضجعہ حضرت کے انتقال کے چند سال بعد والد صاحب نے فدائے ملت حضرت

مولانا سید اسعد مدنی نوراللہ مرقدہ سے بیعت کی حضرت کی زندگی کے آخری دور کے چندرمضان المبارک کے ایسے گزرے کہ حضرت کی خدمت میں حاضری ہوجاتی اور ذکر کا سلسلہ جاری رہتا حتیٰ کہ آخری رمضان المبارک میں حضرت نے چھ ہزار ذکر قلبی کی تلقین فرمائی، بس اسی ماہ مبارک کے بعد ۲/دوشوال المکرّم ۱۴۲۶ھ میں بیمار ہو گئے اور اوائل محرم الحرام ۱۴۲۷ھ میں راہی ملک جاودانی ہو گئے، رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃ ۔فدائے ملت کے انتقال کے بعد والد صاحب نے اپنے ایک شاگرد مولوی زین العابدین سلمہ کے ساتھ بجنور میں قیام فرمایا حضرت مولانا مفتی احتشام الحق دامت برکاتہم العالیہ کی خدمت میں حاضر ہونا شروع کیا حضرت مفتی صاحب مدظلہ العالی حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے خلیفہ ومجاز بیعت حضرت مولانا سراج احمد محدث امروہیؒ کے خلیفہ ومجاز بیعت ہیں، حضرت مدظلہ العالی نے چند ہی ملاقاتوں کے بعد چاروں سلسلوں چشتیہ،نقشبندیہ قادریہ،سہر وردیہ میں بیعت لینے کے بعد جلد ہی اجازت تحریر فرما کرعنایت فرمائی اور داخل سلسلہ فرما لیا، آج کل حضرت والا اپنے وطن سیتاپور مین اپنے قائم کردہ مدرسہ کی نگرانی فرمارہے، اور سیتاپور میں قیام فرما ہیں،حق تعالیٰ شانہ حضرت والا کے فیض کو چاردانگ عالم میں جاری وساری فرمائیں اور احقر کو اور احقر کے ذریعہ جو اللہ تعالیٰ کے بندہ اور بندیاں داخل سلسلہ ہوئے ہیں، سب کو استقامت فی الدین عطاء فرمائے۔

والد صاحب کا حادثہ ہمارے تمام اہل خانہ کے لئے خاص طور پر میرے لئے بڑا جاں گسل اور جاں سوز حادثہ ہے، سمجھ میں نہیں آرہا ہے، کہ اپنے والد مرحوم کو کیسے اور کن الفاظ سے خراج عقیدت پیش کروں، کیا لکھوں اوران کی کن کن خوبیوں کو الفاظ کا پیکر عطا کروں، خدا نے انہیں حیات مستعار کی جو دولت عطائی کی تھی سچ پوچھئے انہوں نے اس امانت کا بڑی دیانتداری کے ساتھ خوبصورت استعمال کیا ہے، ایک بیٹا اپنے والدین کو زندگی کے ہر موڑ پر دیکھتا ہے ساتھ رہتا ہے، میں بھی اپنے والد محترم کے ساتھ سفر حضر میں رہا ہوں، ہر خوشی اور غمی کے موقع پر میں نے دیکھا ہے، لیکن میں نے کبھی انہیں زندگی کے کسی نازک موڑ پر بھی شریعت اور سنت سے الگ نہیں پایا بلکہ ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ احکام شریعت کا پابند اور سنتوں پر عامل دیکھا ہے۔ دو سال قبل میرے جواں سال بڑے مولوی محمد عثمان رحیمی کا انتقال ہوا، اس کے صدمے سے ہم سب لوگ نڈھال تھے۔ تاہم والد صاحب کا اس وقت بھی صبر اور استقامت کا پیکر بن کر ہم سب لوگوں کو سمجھانا اور نصیحت کرنا اور ساتھ ہی خود بھی اپنے آپ کو اتنے بڑے حادثے کے باوجود تحمل اور ضبط میں رکھنا یہ کمال میں نے والد صاحب کے اندر بدرجہ اتم دیکھا ہے۔

والد صاحب شعبان میں بخاری شریف کی اختتامی دعا کے بعد بیمار ہوئے، یہ دو مہینے کا دورانیہ تھا، اس مدت میں ان کی کوشش یہ رہی کہ کوئی کام خلاف شرع کام نہ ہوجائے حتی کہ مرنے سے دو دن قبل جب آپ اسپتال میں ایڈمٹ تھے تو اسپتال میں جو خاتون نرسیں تھیں وہ اگر سر وغیرہ میں درد کی شدت کو کم کرنے کے لئے مالش کرنے کی کوشش کرتی تو فوراً اشارہ سے منع کر دیتے، بہرحال آخر والد صاحب نے چودہ جون بروز منگل ۲۰۲۲ء صبح ساڑھے سات بجے ہمیں داغ مفارقت دیدی، اللہ تعالیٰ والد صاحب کی قبر کو مطلع انوار بنائے۔

والد صاحب کی موت کو ملت نے ایک اجتماعی غم کی طرح محسوس کیا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ والد صاحب کی وفات ہم سب کے لئے ایک اجتماعی حادثہ تھا۔ ایسے افراد اب قحط الرجال میں ملت کو کہاں نصیب ہوں گے۔

تجزیہ

مسلم حکمران اور پروپیگنڈا

پیش کش: محمد عمران قاسمی، دیوبند

یہ تحریر ان حضرات کیلئے ہے جن کی وجہ سے یہ بات مشہور ہوئی ہے کہ ''جب انگریز آکسفورڈ اور کیمبریج بنا رہے تھے اس وقت ہمارے حکمران تاج محل بنا رہے تھے''

چند سال سے اس ملک کے ٹیلیویژن چینلز پر تعلیم کے نام پر سفید جھوٹ پر مبنی پروگرام چلائے جا رہے ہیں اور یہ باور کرانے کی کوشش ہے کہ جب یورپ میں یونیورسٹیاں کھل رہی تھیں تو مسلم بادشاہ تاج محل اور شالامار باغ بنا رہے تھے، میری یہ تحریر مختلف مصنفین کے متعلقہ کالمز اور پروفیسرز، مورخین یا محققین کی تحقیق کے اس حصہ پر مبنی ہے جو میں نے ذاتی تحقیق کے بعد درست پائے، اس تحریر میں میرے اپنے الفاظ کم اور مندرجہ بالا شخصیات کے الفاظ زیادہ ہیں، تاریخ کی گواہی بعد میں پیش کروں گا پہلے بنیادی عقل کا ایک درس پیش کروں، ان چینلز یا پروگرامز میں اگر کوئی سمجھ بوجھ والا آدمی بیٹھا ہوتا تو اسکو سمجھنے میں یہ مشکل نہیں آتی کہ مسلم دور کی شاندار عمارات جس عظیم تخلیقی صلاحیت سے تعمیر کی گئی، وہ دو چیزوں کے بغیر ممکن نا تھیں، پہلی فن تعمیر کی تفصیلی مہارت، جس میں جیومیٹری، فزکس، کیمسٹری اور ڈھانچے کے خدوخال وضع کرنے تک کے علوم شامل ہوتے ہیں، دوسری کسی ملک کی مضبوط معاشی اور اقتصادی حالت، اس قدر مضبوط کہ وہاں کے حکمران شاندار عمارات تعمیر کرنے کا خرچ برداشت کر سکیں، معاشی حوالے سے ہندوستان بالعموم مسلم ادوار اور بالخصوص مغلیہ دور (اکبر - عالگیر) میں دنیا کے کل GDP میں اوسطاً 25% فیصد حصہ رکھتا تھا، درآمدات انتہائی کم اور برآمدات انتہائی زیادہ تھیں اور آج ماہر معاشیات جانتے ہیں کہ کامیاب ملک وہ ہے جس کی برآمدات زیادہ اور درآمدات کم ہوں، سترویں صدی میں فرانسیسی سیاح فرانکیوس برنئیر ہندوستان آیا وہ کہتا ہے کہ ہندوستان کے ہر کونے میں سونے اور چاندی کے ڈھیر ہیں، اسی لئے سلطنت مغلیہ ہند کو سونے کی چڑیا کہتے تھے۔

اب تعمیرات والے اعتراض کی طرف آتے ہیں، فن تعمیر کی جو تفصیلات تاج محل، شیش محل، شالامار باغ، مقبرہ ہمایوں، دیوان خاص وغیرہ وغیرہ میں نظر آتی ہے، اس سے لگتا ہے کہ انکے معمار جیومیٹری کے علم کی انتہاؤں کو پہنچے ہوئے تھے، تاج محل کے چاروں مینار صرف آدھا انچ باہر کی جانب جھکائے گئے تا کہ زلزلے کی صورت میں گرے تو گنبد تباہ نہ ہوں، مستری کے اینٹیں لگانے سے یہ سب ممکن نہیں، اس میں حساب کی باریکیاں شامل ہیں، پورا تاج محل 90 فٹ گہری بنیادوں پر کھڑا ہے، اس کے نیچے 30 فٹ ریت ڈالی گئی کہ اگر زلزلہ آئے تو پوری عمارت ریت میں گھوم سی جائے اور محفوظ رہے، لیکن اس سے بھی حیرانی کی بات یہ ہے کہ اتنا بڑا شاہکار دریا کے کنارے تعمیر کیا گیا ہے اور دریا کنارے اتنی بڑی تعمیر اپنے آپ میں ایک چیلنج تھی، جس

کے لئے پہلی بار ویل فاونڈیشن (foundation well) متعارف کرائی گئی یعنی دریا سے بھی نیچے بنیادیں کھود کر انکو پتھروں اور مصالحہ سے بھر دیا گیا، اور یہ بنیادیں سینکڑوں کی تعداد میں بنائی گئی گویا تاج محل کے نیچے پتھروں کا پہاڑ اور گہری بنیادوں کا وسیع جال ہے، اس طرح تاج محل کو دریا کے نقصانات سے ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا گیا، عمارت کے اندر داخل ہوتے ہوئے اسکا نظارہ فریب نظر یعنی (illusionOptical) سے بھرپور ہے، یہ عمارت بیک وقت اسلامی، فارسی، عثمانی، ترکی اور ہندی فن تعمیر کا نمونہ ہے، یہ فیصلہ کرنے کے لئے حساب اور جیومیٹری کی باریک تفصیل درکار ہے، پروفیسر ایبا کوچ (یونیورسٹی آف ویینا) نے حال میں ہی تاج محل کے اسلامی اعتبار سے روحانی پہلو واضح (decode) کئے ہیں، اور بھی کئی راز مستقبل میں سامنے آ سکتے ہیں، انگریز نے تعمیرات میں (foundation well) کا آغاز انیسویں صدی اور (illusions optical) کا آغاز بیسویں صدی میں کیا، جب کے تاج محل ان طریقہ تعمیر کو استعمال کر کے سترھویں صدی کے وسط میں مکمل ہو گیا تھا، آج تاج محل کو جدید مشین اور جدید سائنس کو استعمال کرتے ہوئے بنایا جائے تو 1000 ملین ڈالر لگنے کے باوجود ویسا بننا تقریباً ناممکن ہے، 'ٹائل موزیک' فن ہے، جس میں چھوٹی چھوٹی رنگین ٹائلوں سے دیوار پر تصویریں بنائی جاتی اور دیوار کو منقش کیا جاتا ہے، یہ فن لاہور کے شاہی قلعے کی ایک کلو میٹر لمبی منقش دیوار اور مسجد وزیر خان میں نظر آتا ہے، ان میں جو رنگ استعمال ہوئے، انکو بنانے کے لئے آپ کو موجودہ دور میں پڑھائی جانے والی کیمسٹری کا وسیع علم ہونا چاہیئے . یہی حال فریسکو پینٹنگ کا ہے، جن کے رنگ چار سو سال گزرنے کے باوجود آج تک مدہم نہیں ہوئے . تمام مغل ادوار میں تعمیر شدہ عمارتوں میں ٹیرا کوٹا (مٹی کو پکانے کا فن) سے بنے زیر زمین پائپ ملتے ہیں، ان سے سیوریج اور پانی کی ترسیل کا کام لیا جاتا تھا، کئی صدیاں گزرنے کے باوجود یہ اپنی اصل حالت میں موجود ہیں، مسلم فن تعمیر کا مکمل علم حاصل کرنے کی کوشش کی جائے اور موجودہ دور کے سائنسی پیمانوں پر ایک نصاب کی صورت تشکیل دیا جائے تو صرف ایک فن تعمیر کو مکمل طور پر سیکھنے کے لیے پی ایچ ڈی (phd) کی کئی ڈگریاں درکار ہوں گی، کیا یہ سب کچھ اس ہندوستان میں ہو سکتا تھا، جس میں جہالت کا دور دورہ ہو اور جس کے حکمرانوں کو علم سے نفرت ہو؟؟ یہ مسلم نظام تعلیم ہی تھا جو سب کے لئے یکساں تھا، جہاں سے بیک وقت عالم، صوفی، معیشت دان، طبیب، فلسفی، حکمران اور انجینئر نکلتے تھے، شیخ احمد سرہندیؒ ہوں یا جہانگیر ہوں یا استاد احمد لاہوری ہوں، یہ سب مختلف گھرانوں سے تعلق رکھنے کے باوجود ایک ہی تعلیمی نظام میں پروان چڑھے، اسی لئے ان سب کی سوچ انسانی مفاد کی تھی۔

مزید ابھی میں مغربی مصنفین کی گواہی پیش کروں گا، اسلئے کہ میرے ان "عظیم" صاحبان علم کو کسی مسلمان یا لوکل مصنف کی گواہی سے بھی بو آتی ہے، ول ڈیورانٹ مغربی دنیا کی مشہور ترین مورخ اور فلاسفر ہے، وہ اپنی کتاب of story civilization میں مغل ہندوستان کے بارے میں لکھتا ہے: "ہر گاوں میں ایک اسکول ماسٹر ہوتا تھا، جسے حکومت تنخواہ دیتی تھی، انگریزوں کی آمد سے پہلے صرف بنگال میں 80 ہزار سکول تھے، ہر 400 افراد پر ایک سکول ہوتا تھا، ان سکولوں میں 6 مضامین پڑھائے جاتے تھے، گرائمر، آرٹس اینڈ کرافٹس، طب، فلسفہ، منطق اور متعلقہ مذہبی تعلیمات." اس نے اپنی ایک اور کتاب IndiaForCaseA میں لکھا کہ مغلوں کے زمانے

میں صرف مدراس کے علاقے میں ایک لاکھ 25 ہزار ایسے ادارے تھے، جہاں طبی علم پڑھایا جاتا اور طبی سہولیات میسر تھیں، میجر ایم ڈی باسو نے برطانوی راج اور اس سے قبل کے ہندوستان پر بہت سی کتب لکھیں۔ وہ میکس مولر کے حوالے سے لکھتا ہے "بنگال میں انگریزوں کے آنے سے قبل وہاں 80 ہزار مدرسے تھے۔"اورنگزیب عالمگیرؒ کے زمانے میں ایک سیاح ہندوستان آیا' جس کا نام الیگزینڈر ہملٹن تھا، اس نے لکھا کہ صرف ٹھٹھہ شہر میں علوم وفنون سیکھانے کے 400 کالج تھے، میجر باسو نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ ہندوستان کے عام آدمی کی تعلیم یعنی فلسفہ، منطق اور سائنس کا علم انگلستان کے رئیسوں حتیٰ کہ بادشاہ اور ملکہ سے بھی زیادہ ہوتا تھا۔ جیمز گرانٹ کی رپورٹ یادرکھے جانے کے قابل ہے۔ اس نے لکھا "تعلیمی اداروں کے نام جائیدادیں وقف کرنے کا رواج دنیا بھر میں سب سے پہلے مسلمانوں نے شروع کیا، 1857ء میں جب انگریز ہندوستان پر مکمل قابض ہوئے تو اس وقت صرف روحیل کھنڈ کے چھوٹے سے ضلع میں، 5000 اساتذہ سرکاری خزانے سے تنخواہیں لیتے تھے"۔ مذکورہ تمام علاقے دہلی یا آگرہ جیسے بڑے شہروں سے دور مضافات میں واقع تھے۔ انگریز اور ہندو مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ تعلیم کا عروج عالمگیرؒ کے زمانے میں اپنی انتہا کو پہنچا، عالمگیرؒ نے ہی پہلی دفعہ تمام مذاہب کے مقدس مذہبی مقامات کے ساتھ جائیدادیں وقف کیں، سرکار کی جانب سے وہاں کام کرنے والوں کے لئے وظیفے مقرر کئے، اس دور کے 3 ہندو مورخین سجان رائے کھتری، بھیم سین اور ایشور داس بہت معروف ہیں، سجان رائے کھتری نے "خلاصہ التواریخ"، بھیم سین نے "نسخہ دلکشا" اور ایشور داس نے "فتوحات عالمگیری" لکھی، یہ تینوں ہندو مصنفین متفق تھے کہ عالمگیرؒ نے پہلی دفعہ ہندوستان میں طب کی تعلیم پر ایک مکمل نصاب بنوایا اور طب اکبر، مفرح القلوب، تعریف الامراض، مجربات اکبری اور طب نبوی جیسی کتابیں ترتیب دے کر کالجوں میں لگوائیں تاکہ اعلیٰ سطح پر صحت کی تعلیم دی جا سکے، یہ تمام کتب آج کے دور کے MBBS نصاب کے ہم پلہ ہیں، اورنگزیب سے کئی سو سال پہلے فیروز شاہ نے دلی میں ہسپتال قائم کیا، جسے دارالشفاء کہا جاتا تھا، عالمگیرؒ نے ہی کالجوں میں پڑھانے کے لیے نصابی کتب طب فیروز شاہی مرتب کرائی، اس کے دور میں صرف دلی میں سو سے زیادہ ہسپتال تھے۔

تاریخ سے ایسی ہزاروں گواہیاں پیش کی جا سکتی ہیں، ہو سکے تو لاہور کے انارکلی مقبرہ میں موجود ہر ضلع کی مردم شماری رپورٹ ملاحظہ فرمالیں، آپکو ہر ضلع میں شرح خواندگی 80% سے زیادہ ملے گی جو اپنے وقت میں بین الاقوامی سطح پر سب سے زیادہ تھی، لیکن انگریز جب یہ ملک چھوڑ کر گیا تو صرف 10% تھی، بنگال 1757ء میں فتح کیا اور اگلے 34 برسوں میں سبھی سکول و کالج کھنڈر بنا دیئے گئے، ایڈمنڈ بروک نے یہ بات واضح کہی تھی کہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے مسلسل دولت لوٹی جس وجہ سے ہندوستان بدقسمتی کی گہرائی میں جا گرا، پھر اس ملک کو تباہ کرنے کے لئے لارڈ کارنیوالس نے 1781ء میں پہلا دینی مدرسہ کھولا، اس سے پہلے دینی اور دنیاوی تعلیم کی کوئی تقسیم نہ تھی، ایک ہی مدرسہ میں قرآن بھی پڑھایا جاتا تھا، فلسفہ بھی اور سائنس بھی، یہ تاریخ کی گواہیاں ہیں، لیکن اشتہار و پروگرام بنانے والے جھوٹ کا کاروبار کرنا چاہے تو نہیں یہ باطل اور مرعوب نظام نہیں روکتا۔

مجھے دہلی جانے کا اتفاق ہوا ہے اور ان تعمیرات کا مشاہدہ کیا ہے، آپ یقین کیجیے کہ ان عمارات کے سحر سے نکلنا ایک مشکل کام ہوتا تھا اور فخر اور حیرانی ہوتی تھی/ بقیہ صفحہ نمبر ۴۳ پر

درس بخاری

تقریب افتتاح بخاری شریف

مولانا عبدالحنان ندوی ناظم وشیخ الحدیث جامعہ علوم القرآن شمس پور کلاں

خطہ دوآبہ میں شمس پور کلاں ایک قدیم گاؤں ہے جسکو روایت کے مطابق ہندوراجپوت سے سنگھ نامی شخص جو دہلی میں اپنے وقت کے بادشاہ کی سینا کا گورنر تھا جس نے بعد میں مسلمان ہوکر شمس الدین نام تجویز کیا، اسی بادشاہ نے اس گاؤں کو آباد کیا تھا جو راجپوتانہ کلچر کا گہوارہ ہے اغلبیت پر دینی چھاپ غالب ہے مگر اسکی تاریخی حیثیت کے تعلق سے کوئی علمی کتابی شہادت ہنوز دست سے باہر ہے۔

اسی معروف بستی میں دینی مزاج کا حامل ایک گھرانہ مفتی عبدالحنان ندوی مؤسس وبانی جامعہ علوم القرآن شمس پور کلاں کا بھی ہے۔

اس گھرانے کا تعلق و رشتہ داری حضرت مولانا مفتی عبد العزیز رائے پوری نوراللہ مرقدہ سابق ناظم جامعہ مظاہر علوم سہارنپور وخلیفہ حضرت مولانا علی میاں ندوی سے بھی ہے جن کا عرفان و فیضان خطہ ارتداد (متحدہ پنجاب) میں ایمان وایقان کے رموز بکھیرے ہوئے ہے، آج اس خطہ میں جو دینی اقدار ہیں اسکی نشاۃ ثانیہ میں حضرت مفتی عبدالعزیز نوراللہ مرقدہ کا اہم کردار رہا ہے۔

جامعہ علوم القرآن شمس پور کلاں (سن تاسیس 1434ھ 2014ء) بھی مدارس اسلامیہ ہندیہ کی وہ کڑی ہے جو قدیم وجدید کا حسین سنگم ہے قدیم صالح و جدید نافع کا مظہر ہے، شعارنا الوحید الی الاسلام من جدید کا پرتو ہے۔

جامعہ علوم القرآن مولانا عبد الحنان ندوی اور ان کے مساہمین کا زکی انتھک اور مخلصانہ جدوجہد کا شاہکار ہے۔

آٹھ سال کی قلیل مدت میں جامعہ علوم القرآن نے شاہراہ ترقی کے جو منازل طے کر لئے ہیں وہ حیرت واستعجاب کا باعث ہیں، بقول برادر گرامی مولانا فتح محمد ندوی کھجناوری "یہ فتوحاتِ حنانیہ" کا آغاز ہے۔

جامعہ علوم القرآن کی عمر میں آج (بروز پیر ۵/ذیقعدہ ۱۴۴۳ھ 6/جون 2022)اس روز روشن کا اضافہ ہوا چاہتا ہے جو جامعہ علوم القرآن کی تاریخ کا ایک زریں باب بنے گا۔

یعنی آج وحی غیر متلو کی سب سے افضل اور سب سے مقدم و مؤقر متداول و متعارف کتاب بخاری شریف (الجامع الصحیح المسند المختصرمن أمور رسول الله صلى الله عليه وسلم و سننه وأيامه لأبى عبد الله محمد بن اسماعيل البخارى رحمه الله) کا مبارک

افتتاح وآغاز ہے۔

پروگرام کے آغاز میں جامعہ کی طالبات نے تلاوت قرآن حمد ونعت اور متنوع ثقافتی پروگرام کے ذریعہ مہمانان گرامی وحاضرین کے دلوں کو موہ لیا۔

بعدہ جس شخصیت نے اُصح الکتب بعد کتاب اللہ کا آغاز فرمایا وہ عصر حاضر کے کاتب و ادیب ناطق وخطیب ولی کامل محدث گرامی حافظ القاری مولانا مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی حفظہ اللہ ورعاہ مؤسس مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفرآباد سہارنپور ہیں۔

مفتی صاحب کو علوم قرآن وحدیث سے گہری مناسبت رہی ہے، جہاں آپ علوم القرآن کے شناور ہیں وہیں آپ علوم الحدیث کے غواص بھی ہیں

عالم اسلام (عرب وعجم) کے تقریبا تمام بڑے علماء واساطین علم سے آپ کو عالی سندوں کی اجازت ہے۔

شخصیت آپکی حلیم ووقور ہے، وسطیت واعتدال اور توافق و توازن کی جامع ہے، علم وحکمت کا در نایاب ہے، کم گو نہ بے تکلف نہ پر تکلف جب بات کرتے ہیں حسب حال و احوال کرتے ہیں۔

تعاون ہمدردی ایثار خوش خلقی اور بلند اخلاق کی نمونہ و مثال ہیں، اس کے علاوہ آپ نے عرب وعجم کی ثقافت وآداب اور اقدار کا قریبی مشاہدہ کیا ہے، اس کے حسن وقبح اور مفید ومضر کا ادراک رکھتے ہیں۔

آپ نے بہت کم وقت میں دینی علمی تعلیمی رفاہی اور انسانیت دوستی کے وہ کارہائے نمایاں انجام دئے کہ جن پر معاصرین کو رشک اتا ہے۔

ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء ۔

رب کریم نے اس کے علاوہ بھی آپکو بڑی خوبیوں سے بہرہ ورفرمایا ہے، آپ کو مشائخ وقت سے بہت کم عمری میں ہی خرقہ خلافت وبیعت حاصل ہوگیا ہے، جن میں سرفہرست ولی مرتاض حضرت مولانا سید مکرم حسین سنسارپوری اور حضرت مولانا ظریف احمد ندوی قطر اور حضرت مولانا ہاشم صاحب چھٹمل پور اور حضرت مولانا پیر محمد شاہ صاحب قریشی اور دیگر اکابرین سے اجازت وخلافت حاصل ہے، اب تک آپ دینی علمی فکری اور ثقافتی موضوعات پر ستر 70 سے زائد کتابیں عربی اردو ہندی انگلش میں تحریر فرما چکے ہیں، الحمدللہ ان کتابوں سے ہندوپاک کے علاوہ براعظم افریقہ یوروپ تک استفادہ حاصل کیا جارہا ہے، لندن میں بھی آپ کی علمی ورثہ سے اکتساب فیض کیا جارہا ہے۔

خدا آپ کو عافیت وسلامتی بخشے، آمین یارب العالمین۔

آپ کے افتتاحی درس کی مختصر تفصیل پیش خدمت ہے۔

بعد الحمد والصلوۃ - سب سے پہلے ان طالبات کو جو آج دورۂ حدیث شریف اور بخاری شریف کے سبق کا آغاز کر رہی ہیں، اس تعلیمی پیشرفت پر مبارکباد پیش کرتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ رب العزت انہیں علم حدیث کا ذوق عطا فرمائے، فہم نصیب کرے، عمل کی توفیق اور خدمت کے مواقع سے بہرہ ور فرمائے، آمین یارب العالمین۔ آپ نے اس سے قبل حدیث نبویؐ کی بعض کتابیں پڑھی ہیں اور اس سال بھی بخاری شریف کے ساتھ ساتھ دیگر کتابیں آپ پڑھیں گی لیکن میں آپ کو بخاری شریف کی اہمیت اور اس کی چند خصوصیات وامتیازات کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں تاکہ پڑھنے کے دوران آپ کی ان پر نظر رہے اور اس عظیم کتاب سے آپ زیادہ سے زیادہ استفادہ کرسکیں۔

صحیح بخاری کا اصل نام (الجامع المسند الصحیح المختصر من امور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وسننہ وایامہ) ہے جو (صحیح البخاری) کے نام سے مشہور ہے، یہ اہل سنت وجماعت کے مسلمانوں کی سب سے مشہور حدیث کی کتاب ہے، اس کو امام محمد بن اسماعیل بخاری نے سولہ سال کی مدت میں بڑی جانفشانی اور محنت کے ساتھ تحریر کیا ہے، اس کتاب کو انہوں نے چھ لاکھ احادیث سے منتخب کر کے جمع کیا ہے۔

اہل سنت کے یہاں اس کتاب کو ایک خاص مرتبہ وحیثیت حاصل ہے اور حدیث کی چھ امہات الکتب (صحاح ستہ) میں اول مقام حاصل ہے، خالص صحیح احادیث میں لکھی جانی والی پہلی کتاب شمار ہوتی ہے، اسی طرح اہل سنت میں قرآن مجید کے بعد سب سے صحیح کتاب مانی جاتی ہے، اسی طرح صحیح بخاری کا شمار کتب الجوامع میں بھی ہوتا ہے، یعنی ایسی کتاب جو اپنے فن حدیث میں تمام ابواب عقائد، احکام، تفسیر، تاریخ، زہد اور آداب وغیرہ پر مشتمل اور جامع ہو۔

اس کتاب نے امام بخاری کی زندگی ہی میں بڑی شہرت و مقبولیت حاصل کر لی تھی، بیان کیا جاتا ہے کہ اس کتاب کو تقریباً نوے ہزار سے زائد لوگوں نے ان سے پڑھا اور سماعت کی، اس کی شہرت اس زمانہ میں عام ہوگئی تھی، ہر چہار جانب خصوصاً اس زمانے کے علما میں اس کتاب کو توجہ اور مقبولیت حاصل ہوگئی تھی، چنانچہ بے شمار کتابیں اس کی شرح، مختصر، تعلیق، مستدرک، تخریج اور علومِ حدیث وغیرہ پر بھی لکھی گئیں، یہاں تک کہ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ اس کی معروف شروحات کی تعداد سینکڑوں کے قریب پہونچ گئی ہے۔

بخاری شریف کی ایک خصوصیت اس کی جامعیت ہے، جس کے بارے میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے اس کتاب میں فقہ و احکامِ فقہ، سیر و مغازی، تفسیر، وجدانیات و روحانیات اور اخلاق و آداب کے مختلف شعبوں کی روایات کو جمع کر دیا ہے، اور صرف یہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ایمان وعقائد کی روایات کو بھی کتاب کا حصہ بنایا ہے اور انسانی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس کے بارے میں کسی نہ کسی عنوان کے ساتھ امام بخاریؒ نے روایات پیش نہیں کیں، چنانچہ محدثین کی اصطلاح میں ''الجامع'' اسی کتاب کو کہا جاتا ہے جس میں صرف احکام کی روایات نہ ہوں بلکہ ایمانیات، تفسیر، اخلاقیات اور دیگر ضروری شعبوں کی روایات وابواب بھی اس کا حصہ ہوں اور اس حوالہ سے بخاری شریف کو صحیح معنوں میں ''الجامع'' کا مقام حاصل ہے۔

بخاری شریف کا دوسرا امتیاز اس کی صحت کا معیار ہے، امام بخاریؒ نے روایت کو قبول کرنے کے لیے اس کے مسند اور مرفوع ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی صحت کی ایسی شرائط قائم کی ہیں اور ان کی پابندی کا اہتمام کیا ہے جس نے جمہور محدثین کے ہاں بخاری شریف کو ''اصح الکتب بعد کتاب اللہ'' کا درجہ دلا دیا ہے۔

بخاری شریف کا تیسرا امتیاز یہ ہے کہ وہ صرف روایات کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ فقہ واستنباط بھی اس کا ایک اہم حصہ ہے، عام طور پر محدث کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ روایات اور اس کی سند پیش کرتا ہے اور حدیث کے درجہ سے بحث کرتا ہے، جبکہ حدیث سے کسی مسئلہ کا استنباط اور کسی حکم کے لیے اس سے استدلال فقیہ کا کام ہوتا ہے، امام بخاریؒ یہ دونوں کام کرتے ہیں اور ایک روایت کو کئی حصوں میں تقسیم کر کے اور متعدد جگہوں پر اسے درج کر کے بعض روایات سے انہوں نے درجنوں مسائل نکالے ہیں، امام بخاریؒ محدث بھی ہیں، فقیہ بھی ہیں، مفسر بھی ہیں، مؤرخ بھی ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ متکلم بھی

ہیں، وہ چونکہ مؤرخ بھی ہیں اس لیے تاریخی روایات ان کے ہاں سب سے زیادہ ملتی ہیں، انھوں نے مغازی کا ذکر جس تفصیل کے اور ذوق کے ساتھ کیا ہے وہ آپ کو کہیں اور نہیں ملے گا اور اور دیگر تاریخی اہمیت کے حامل واقعات امام بخاریؒ نے اہتمام کے ساتھ بیان فرمائے ہیں۔

بخاری شریف کی کتاب التفسیر بھی آپ کو حدیث کی دیگر بہت سی کتابوں سے ممتاز نظر آئے گی، وہ قرآنی آیات کی تفسیر روایات کے ساتھ تو کرتے ہی ہیں، ان کے الفاظ کی تشریح بھی کرتے ہیں اور لغوی بحث بھی کرتے ہیں۔

امام بخاریؒ ابتدا میں ''بدء الوحی'' کا باب لاکر یہ سبق دے رہے ہیں کہ ہمارے تمام معاملات کی بنیاد وحی پر ہے، عقیدہ و ایمانیات سے لے کر اخلاق و معاملات تک ہم ہر معاملہ میں وحی سے راہنمائی حاصل کریں گے۔ یہ بات آج کے دور میں جبکہ پوری دنیا آسمانی تعلیمات کو ماننے یا ان سے صاف انکار کرنے کے حوالہ سے دو واضح حصوں میں تقسیم ہو چکی ہے، بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہے کہ ہم آج کے عالمی تناظر میں وحی الٰہی کے ساتھ اور آسمانی تعلیمات کے ساتھ اپنی دوٹوک وابستگی اور کمٹمنٹ کا اظہار کر رہے ہیں۔

دوسری بات یہ کہ امام بخاریؒ نے اپنی کتاب کا آغاز نیت والی روایت سے کیا ہے جس سے وہ یہ سبق دے رہے ہیں کہ اصل بات نیت ہے اور نیت پر ہی عمل کا مدار ہے۔ اگر نیت درست ہے تو اعمال بھی درست ہیں اور اگر خدانخواستہ نیت میں گڑبڑ ہے تو اعمال بھی اسی کے مطابق شمار ہوں گے، اس لیے ہمیں اس کار خیر کے آغاز سے پہلے اپنی نیتوں کا جائزہ لے لینا چاہیے کہ ہم کس نیت اور غرض کے ساتھ یہ کام کر رہے ہیں اور اگر اس میں کوئی جھول یا کجی ہو تو اسے درست کر لینا چاہیے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو نیت کی اصلاح کے ساتھ صحیح عمل کا ذوق اور اس کی تکمیل کی توفیق سے نوازیں، آمین ثم آمین۔

آخر میں حضرت مفتی صاحب کی پرسوز دعاء پر پروگرام کا اختتام ہوا۔

پروگرام میں مہمان خصوصی حضرت مولانا محمد قربان مظاہری ندوی مہتمم مدرسہ تعلیم القرآن زاہدی وڈائیریکٹر برائٹ فیوچر پبلک اسکول دولت پور سہارنپور اتر پردیش الہند، مولانا مکرم صاحب ندوی ناظم مدرسہ دارالعلوم قادریہ سلیم پور۔

قاری محمد مجاہد مدظلہ العالی سرپرست مدرسہ ہذا۔۔

مولانا حسان ندوی نائب مہتمم مدرسہ ہذا قاری صنور صاحب امام مسجد وکاس نگر دہرادون اتراکھنڈ۔۔

مدرسہ کے دیگر معلمین ومعلمات اور طلبہ وطالبات موجود رہے۔

......بقیہ صفحہ ۳۹ کا

کہ ان ادوار میں مشین کا وجود نا ہونے کے باوجود ایسے شاہکار تعمیر کرنا ناممکن لگتا ہے، لاہور میں مغلیہ فن تعمیر پر کبھی نظر دوڑائیے، آپ انجینئرنگ کے کارناموں پر محو حیرت رہیں گے کیونکہ جب یورپ یونیورسٹیاں بنا رہا تھا تو یہاں وہ تعلیمات عام ہو چکی تھیں، لیکن یہ موجودہ ظالم نظام جہاں ہمیں اپنی اعانت کے لئے اپنا کلرک بناتا ہے وہاں ہماری عظیم تاریخ کو بھی مبہم بناتا ہے۔

تحریر کا اختتام کرنے کے لئے بہت کچھ ہے لیکن ایک سنہری قول سے اختتام کروں گا۔

"آج مسلمانوں کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ انہیں ذرائع ابلاغ (Media) کا پروپیگنڈا بہا کے لے گیا۔

☆☆☆☆☆

بندگی

دعا کی طاقت اور قبولیت دعا

مولانا عرفان عامر ندوی

دعا کی قبولیت آواز کی بلندی نہیں بلکہ دل کی تڑپ کا تقاضہ ہے، کیونکہ دعا صرف الفاظ کا مجموعہ نہیں، روح کی طلب کیفیت، مناجات اور سرگوشی کا نام ہے"۔

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

ایک غریب خاندان کے لڑکے نے اپنے باپ سے کہا میرے لیے بائیکل خرید دیجئے، باپ کے لئے بائیسکل خریدنا مشکل تھا، اس نے ٹال دیا، لڑکا بار بار کہتا رہا اور باپ بار بار منع کرتا رہا، آخر کار ایک روز باپ نے ڈانٹ کر کہا! میں نے کہہ دیا کہ میں بائیسکل نہیں خریدوں گا، آئندہ مجھ سے اس قسم کی بات مت کرنا، یہ سن کر لڑکے کی آنکھ میں آنسو آ گئے، وہ کچھ دیر تک چپ رہا، اس کے بعد روتے ہوئے بولا: " آپ ہی تو ہمارے باپ ہیں پھر آپ سے نہ کہیں تو کس سے کہیں،" اس جملہ نے باپ کو تڑپا دیا، اچانک اس کا انداز بدل گیا، اس نے کہا" اچھا بیٹے، اطمینان رکھو، میں تم کو ضرور بائیسکل دوں گا،" یہ کہتے ہوئے باپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، کچھ دنوں میں اس نے پیسے پورا کر کے بیٹے کے لئے نئی بائیسکل خرید دی۔

لڑکے نے بظاہر ایک لفظ کہا تھا، مگر یہ ایسا لفظ تھا جس کی قیمت اس کی اپنی زندگی تھی، جس میں اس کی پوری ہستی شامل ہو گئی تھی، اس لفظ کا مطلب یہ تھا کہ اس نے اپنے آپ کو اپنے سرپرست کے آگے بالکل خالی کر دیا ہے، یہ لفظ بول کر اس نے اپنے آپ کو ایک ایسے نقطہ پر کھڑا کر دیا جہاں اس کی درخواست اس کے سرپرست کے لئے بھی اتنا بڑا مسئلہ بن گئی جتنا وہ خود اس کے اپنے لیئے تھی۔

یہ انسانی واقعہ خدائی واقعہ کی تمثیل ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کون سی دعا ہے جو لوٹائی نہیں جاتی، یہ وہ دعا ہے جس میں بندہ اپنے پوری ہستی کو انڈیل دیتا ہے۔ جب بندہ کی آنکھ سے عجز کا وہ قطرہ ٹپک پڑتا ہے جس کا تحمل زمین و آسمان بھی نہ کر سکیں، جب بندہ اپنے آپ کو اپنے رب کے ساتھ اتنا زیادہ شامل کر لیتا ہے کہ "بیٹا' اور '' باپ دونوں ایک ترازو پر آ جاتے ہیں۔

یہ وہ لمحہ ہے جب کہ دعا محض زبان سے نکلا ہوا ایک لفظ نہیں ہوتی بلکہ اپنی شخصیت کو مٹا دینے، ختم کر دینے کی انتہا بن جاتی ہے، اس وقت خدا کی رحمتیں اپنے بندے پر ٹوٹ پڑتی ہیں، بندگی اور خدائی دونوں ایک دوسرے سے راضی ہو جاتے ہیں، قادر مطلق عاجز مطلق کو اپنی آغوش میں لے لیتا ہے، جو انسان اپنے رب پر اس قدر بھروسا کر لیتا ہے، کہ اس کے علاوہ کوئی بھی اسکی ضرورت پوری کرنے والا نہیں تو اللہ بھی اپنے بندے کو مایوس نہیں لوٹاتا، اس کی دعا ضرور قبول کرتا ہے۔

اللہ تعالی اس بات کو بہت پسند فرماتا ہے کہ اس کے بندے اس سے اپنی حاجات وضروریات کی تکمیل کا سامان مانگیں، رب کریم سے مانگنا اور ضد کرنا بہت پسند ہے بلکہ خود کہتا ہے: بقیہ صفحہ نمبر ۶۴ پر

تعارف وتبصرہ

نئی کتابوں پر تبصرہ

محمد مسعود عزیزی ندوی

نام کتاب: امیدوں کا چراغ

نام مؤلف : مولانا کبیر الدین فاران مظاہری

صفحات : ۴۴۰

اسٹاکسٹ : مکتبہ ندویہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

پیش نظر کتاب ''امیدوں کا چراغ'' مولانا کبیر الدین فاران مظاہری کی عمدہ تحریروں کا ایک شاہکار مجموعہ ہے، مولانا کو اللہ تعالی نے دھڑکتا دل دیا ہے، وہ امت کی فلاح و بہبود اور ترقی کے لئے بہت فکر مند رہتے ہیں، وہ احقاق حق اور ابطال باطل کے سلسلہ میں بلا خوف لومتہ لائم اپنا دعوتی اور اصلاحی فریضہ انجام دیتے رہتے ہیں، اور اس سلسلے میں ان کو کوئی مصلحت مانع نہیں ہوتی، اس وجہ سے بعض مرتبہ لوگ ان کو بداخلاق تک بھی کہہ دیتے ہیں، کیوں کہ وہ کسی کی بھی بے اصولی اور ناروا بات پر فوراً کلاس لے لیتے ہیں، جس سے سننے والے کو کڑوا لگ جاتا ہے اور سچ اکثر کڑوا ہی ہوتا ہے، لیکن سچی بات یہ ہیکہ (جیسا کہ راقم اپنے تجربات اور مشاہدہ کی روشنی میں کہتا ہے) وہ ایک صاف دل اور اصول پسند آدمی ہیں۔

انہوں نے اپنے تجربات و مشاہدات اور فکر عمیق کی روشنی میں اپنے گہر بار قلم سے دنیا کے ظلم وزیادتی کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں ''امیدوں کا چراغ'' جلایا ہے، آج کے پرفتن و پرآشوب دور میں ''امیدوں کا چراغ'' نامی کتاب ان شاء اللہ تاریک وادیوں میں قندیل راہب اور منارۂ نور ثابت ہوگی، اسی لئے کتاب کے مقدمہ نگار مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی حالات حاضرہ پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ ''ان حالات میں ''امیدوں کا چراغ'' بجھا نہیں ہے، امیدوں کا چراغ مایوس کن حالات میں توجہ دلاتا ہے کہ اچھی اور پاکیزہ زندگی، گناہوں سے استغفار، اللہ کی طرف رجوع و انابت کی فکر، دعوت کا عمل، سخت اور مضطرب حالات سے نکال کر اچھے حالات پیدا کرنے کا بڑا ذریعہ بنتا ہے، اور تاریخ کی کتابوں سے بار بار پتا چلتا ہے کہ جس طرح اللہ تعالی کو بھولنے سے اچھے حالات خراب ہوجاتے ہیں، اللہ تعالی کی طرف رجوع و انابت سے خراب حالات اچھے حالات میں بدل جاتے ہیں، اس تناظر میں یہ کتاب اپنے عنوان اور مضامین کے ساتھ ایک مفید کتاب کے طور پر سامنے ہے، جو ایمانیات، عبادات......اسلامیات اور سماجیات سے متعلق اہم مضامین کا مجموعہ مولانا کبیر الدین فاران مظاہری صاحب کا مرتب کردہ ہے''۔

حضرت مولانا مفتی احمد خانپوری مدظلہ العالی تحریر فرماتے ہیں کہ'' امیدوں کا چراغ'' ایک اہم کڑی ہے جو آثار وسنن، مسائل ومعاملات اور اخلاقیات کے نادر واقعات واحکامات پر مشتمل علمی، روحانی وادبی شہ پارہ ہے، جسکو ہمارے فاضل دوست مولانا کبیر الدین فاران مظاہری نے بڑی عرق ریزی سے اپنی زندگی کے مشکل حالات میں یکسو ہوکر علوم وفنون کے نوادرات کو ایک کوزے میں بند کردیا ہے، میں مولانا فاران کے شب وروز کی

تگ ودو اور اصلاحی وفکری زندگی سے تقریباً پینتالیس سالوں سے واقف ہوں اور ان کے علمی کارناموں کے خوشگوار اثرات بھی دیکھے ہیں اور عملی مجسمہ کو بھی قریب سے دیکھا اور پرکھا ہے، وہ ملک وملت، تعلیم وتعلم میں چستی، قدیم صالح اور جدید نافع کے ابھرتے ہوئے مصلح اور ترجمان ہیں۔

چنانچہ وہ تقریر وتحریر، محاضرات واخبارات اور مجلس ادارت میں تربیتی پہلوؤں اور سیاسی نقطوں پر اصلاحی رائے دینے سے کبھی نہیں چوکتے، جس راہ سے وہ گذرتے ہیں، اس کے خش وخاشاک کو ہٹانے اور اس گذرگاہ کی مشکلات کو حل کرنے اور کرانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے، جس سے ایک بڑی دنیا مستفیض ہو رہی ہے، انہوں نے اپنی فکر وآگہی، درد اور تڑپ کو اس علمی شہ پارے کے ذریعہ علم وفن کے قدر دانوں، تحریر وتقریر کے دلدادوں کو مواد کا عظیم تحفہ پیش کیا ہے، ان شاء اللہ حالات سے متاثر لوگوں کے لئے بھی قابل قدر یہ کوشش امیدوں کی کرن اور خضر راہ ثابت ہوگی''۔

ان اکابر کے تاثرات سے کتاب کی اہمیت وافادیت کا اندازہ ہو گیا ہوگا، پھر بھی اس کے جلی عناوین پر الگ سے نگاہ ڈال لیجئے گا مثلاً، ایمانیات، عبادات، ادعیہ ماثورہ، دعوت وتبلیغ، سیرت دانائے سبل صلی اللہ علیہ وسلم، انبیاء علیہم السلام، امہات المومنین وصحابیات، صحابہ رضی اللہ تعالی عنہم، اولیاء وعقلا، اصلاحیات ومعاشیات، حقوق، اقوال زریں، تاریخ، جیسے جلی عناوین سے کتاب مزین ہے، ان کے تحت بہت سے ذیلی عناوین بھی ہیں، جن میں مولانا نے اپنا جگر اور اپنا درد دل قرآن وحدیث سے مدلل کر کے اچھے انداز میں پیش کیا ہے، امید ہیکہ قارئین کتاب کو حاصل کر کے فائدہ اٹھائیں گے، اور اپنی زندگی کے لئے مشعل راہ بنائیں گے، اللہ تعالی مصنف علام کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور قارئین کو مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

......بقیہ صفحہ ۴۴ کا

(وقال ربكم ادعوني أستجب لكم انّ الذينَ يستكبرون عن عبادتي سيدخلون جهنم و آخرين) [غافر:60 "اور تمہارے رب کا فرمان ہے مجھ سے دعا کرو مانگو میں تمہاری دعاؤں کو قبول کروں گا، یقین مانو کہ جو لوگ میری عبادت سے خودسری کرتے ہیں وہ عنقریب ذلیل ہو کر جہنم میں پہنچ جائیں گے"۔

موضوع کی مناسبت سے مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ کی مناجات میں سے کچھ پسندیدہ اشعار پیش ہیں:

آج اپنی خطاؤں کا لادے ہوئے پشتارا
سرگشتہ و درماندہ بے ہمت و ناکارہ
وا رفتہ وسر گرداں بے مایہ و بے چارہ
شیطاں کا ستم خوردہ اس نفس کا دکھیا را
ہر سمت سی غفلت کا گھیرے ہوئے اندھیارا
آج اپنی خطاؤں کا لادے ہوئے بشتارہ
مضمون جو سوچا تھا وہ جانے کہاں گم ہے
آنکھوں میں بھی اشکوں کا اب نام و نشاں گم ہے
سینے میں سلگتا ہے رہ رہ کے اک انگارہ
دربار میں حاضر ہے اک بندہ آوارہ
آیا ہوں ترے در پر خاموش نوا لیکر
نیکی سے تہی دامن انبار خطا لیکر
یا رب میری ہستی پر کچھ خاںص کرم فرما
بخشے ہوئے بندوں میں مجھ کو بھی رقم فرما
کردے میری ماضی کی ہر سانس کا کفارہ
دربار میں حاضری ہے اک بندہ آوارہ

☆☆☆☆☆

مطبوعات

مرکز احیاء الفکر الاسلامی، مظفرآباد، سہارنپور (یوپی)

۱-مختصر تجوید القرآن (۲۰/روپئے)
۲-بچوں کی تمرین التجوید (۲۰/روپئے)
۳-جیب کی تجوید (۱۰/روپئے)
۴-رہنمائے سلوک وطریقت (۳۰/روپئے)
۵-مراجع الفقہ الحنفی ومیزاتہا (۲۰/روپئے)
۶-مکتوبات اکابر (۵۰/روپئے)
۷-حیات عبدالرشید (۲۰۰/روپئے)
۸-بزرگان رائے پور (۵۰/روپئے)
۹-افکار دل (۲۰۰/روپئے)
۱۰-التدخین بین الشرع والطب (۵۰/روپئے)
۱۱-مقالات ومشاہدات (۶۰/روپئے)
۱۲-اللہ ورسول کی محبت (۲۰/روپئے)
۱۳-امامت کے احکام ومسائل (۶۰ روپئے)
۱۴-مدارس کا نظام تحلیل وتجزیہ (۵۰ روپئے)
۱۵-ساز دل (۱۰۰/روپئے)
۱۶-تصوف اور اکابر دیوبند (۴۰/روپئے)
۱۷-میرے شیخ ومرشد مفکر اسلام (۵۰/روپئے)
۱۸-درد دل (۱۰۰/روپئے)
۱۹-سیرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ (۱۰۰/روپئے)
۲۰-حیات شیخ الحدیث (۵۰/روپئے)
۲۱-گذرگاہیں (۶۰/روپئے)
۲۲-عقائد اور ارکان اسلام (۲۰/روپئے)
۲۳-سیرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (۳۰/روپئے)
۲۴-ملفوظات حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائپوریؒ (۷۰/روپئے)
۲۵-تذکرہ مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ (۹۰/روپئے)
۲۶-تذکرہ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوریؒ (۱۵۰/روپئے)
۲۷-تذکرہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ (۳۰/روپئے)
۲۸-تذکرہ حضرت حافظ عبدالرشید رائے پوریؒ (۳۰/روپئے)
۲۹-تذکرہ حضرت مفتی عبدالقیوم صاحب رائپوریؒ (۸۰/روپئے)
۳۰-تذکرہ علامہ سید سلیمان ندویؒ (۳۰/روپئے)
۳۱-تذکرہ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ (۵۰/روپئے)
۳۲-نقوش حیات حضرت مولانا عبدالرحیم متالاؒ (۱۰۰/روپئے)
۳۳-کامیابی کے اصول اور اللہ کے مقبول بندے (۳۰/روپئے)
۳۴-چندہ دینے، دلوانے اور لینے کے آداب واصول (۳۰/روپئے)
۳۵-قادیانیت نبوت محمدیؐ کے خلاف بغاوت (۳۰/روپئے)
۳۶-فقہ حنفی کے مراجع اور انکی خصوصیات (۳۰/روپئے)
۳۷- القادیانیة ثورة علی النبوة المحمدیة (۳۰/روپئے)
۳۸-الامامة فی الصلوة ومسائلہا واحکامہا (۸۰/روپئے)
۳۹-ریاض البیان فی تجوید القرآن (۵۰/روپئے)
۴۰-چند مایہ ناز اسلاف قدیم وجدید (۲۰۰ روپئے)
۴۱-ماں باپ اور اولاد کے حقوق (۳۰/روپئے)
۴۲-لڑکیوں کی اصلاح وتربیت (۳۰/روپئے)
۴۳-مختصر تذکرہ حضرت شیخ الہندؒ (۳۰/روپئے)
۴۴-اسلام میں پردہ کی اہمیت (۳۰/روپئے)
۴۵-سیرت النبی الاکرمؐ (۳۰/روپئے)
۴۶-میری والدہ مرحومہ (۴۰/روپئے)
۴۷-دوآب دار موتی (۳۰/روپئے)
۴۸-یتیموں کی کفالت (۳۰/روپئے)
۴۹-توشہ آخرت (۲۰۰/روپئے)
۵۰-دودن کا سفر (۲۰۰/روپئے)
۵۱-حیات ازہری (۱۰۰/روپئے)
۵۲-ذکر محبوب (۲۰۰/روپئے)
۵۳-الفرائد فی عوالی الاسانید وغوالی الفوائد (۳۰۰/روپئے)
54- Rules of Raising Funds
55- Beliefs and Pillars of islam (Rs.20)
56- The Laws Pertaining to Imamat (Rs.100)
57- The Rights of Perents and children (Rs.20)
58- Guidelines for Sulook and Tareeqat(Rs.80)
59- Tasawwuf and tha Elders of
60- Tasawwuf and tha Elders of Deoband (Rs.40)
61-A Biogrophy of the Noblest Nabi (Rs.50)
62- Life Sketch of Hadhrat Thanwi (Rs.40)
63- My Sheikh and Spiritual Guide (Rs.40)
64- Importance of Hijab in islam (Rs.30)

ملنے کا پتہ: مرکز احیاء الفکر الاسلامی، مظفرآباد، سہارنپور (یوپی)
Mob: 09719831058